سلسلہ مطبوعات مسند ہجویری (3)

معارفِ ہجویریہ

(1)

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ مارچ، 2012ء

(کشف المحجوب: طبعات و تراجم کا تنقیدی جائزہ)

تقدیم

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

استاذ کرسیٔ ہجویریؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات مسند ہجویری (3)

معارفِ ہجویریہ (1)

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ مارچ، 2012ء
(کشف المحجوب: طبعات و تراجم کا تنقیدی جائزہ)

ترتیب و تقدیم

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

پروفیسر مسند ہجویری

کرماں والا بک شاپ
ناشرین قرآن و اسلامی کتب
انعام القرآن پبلی کیشنز
دکان نمبر ۵، دربار مارکیٹ لاہور
Voice: 0423-7249515

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق شعبہ مسند ہجویری محفوظ ہیں

نام کتاب: معارف ہجویریہ (۱) مجموعہ مقالات سیمینار

مرتب: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

تعداد صفحات: ۲۳۰

تعدادِ نسخ: ۵۰۰

قیمتِ نسخہ: ۲۵۰

کمپوزنگ: زاہدہ بتول، محمد عمران علی، عتیق الحسن

پروف ریڈنگ: مصنفین مقالات، زاہدہ بتول، عتیق الحسن

سرورق: محمد نوید ریاض، خلیل احمد ڈیپارٹمنٹ آف پریس اینڈ پبلیکیشنز

طبع اوّل: رجب المرجب ۱۴۳۳ھ/ جون ۲۰۱۲ء

مطبع: پنجاب یونیورسٹی پرنٹنگ پریس

ناشر: شعبہ کرسی ہجویری، کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

فہرست موضوعات

1	کلمہ افتتاح مرتب	1
2	کشف المحجوب کی بعض طبعات وتراجم ایک نظر میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	3
3	انگریزی ترجمہ "کشف المحجوب" (نکلسن) پر ایک نظر ڈاکٹر تحسین فراقی	29
4	ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کا ترجمہ کشف المحجوب - ایک تاثر ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری	55
5	کشف المحجوب تصحیحِ متن، تحقیق وترجمہ صوفی عبدالعزیز - ایک تعارف ڈاکٹر محمد سلیم مظہر	71
6	کشف المحجوب، طبعِ محمود عابدی، تعارف اور جائزہ ڈاکٹر معین نظامی	77
7	کشف المحجوب: پنجابی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد	89

Marfat.com

8	کشف المحجوب (چند توضیحات) محمد اکرام چغتائی	103
9	کشف المحجوب کی تصحیح اور تفہیم کے لیے ڈاکٹر محمود عابدی کی کاوشیں۔ تعارف ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس	119
10	مولانا محمد حسین کا کشف المحجوب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	129
11	کشف المحجوب ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری پر ایک نظر پروفیسر محمد الیاس اعظمی	139
12	کشف المحجوب کے اردو تراجم پروفیسر عبدالجبار	157
13	کشف المحجوب کے عربی ترجمہ پر ایک نظر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	181
14	تراجم ''کشف المحجوب'' تحریر: جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل	215

Marfat.com

انتساب

ایرانی محققِ کشف المحجوب
ڈاکٹر محمود عابدی کی مخلصانہ محنت
کی
نذر

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۂ افتتاح

تاریخ میں، جب کبھی بھی، اسلامی تصوف کی بات ہوئی یا ہوگی، خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں، تو صحیفۂ تصوف اسلامی -- کشف المحجوب -- اور اس کے نادرۂ روزگار مصنف مرشدِ لاہور حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری لاہوری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ہی سے شروع کرنا پڑے گی! اس عظیم الشان علمی کارنامہ کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوگا اور نہ اس جلیل القدر عالم عارف سے چشم پوشی کا کوئی جواز ہوگا بلکہ ایسا کرنا بے قدری اور جہالت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوگا! بلکہ یوں کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا کہ کشف المحجوب جیسے علم و معرفت کے بحرِ زخّار سے سیراب ہوئے بغیر یونہی گذر جانا بدنصیبی ہوگی اور سید ہجویر مرشد لاہور جیسے علم و فضل اور روحانیت و عرفان کے کوہِ گراں کے سامنے ادب کے ساتھ سرنگوں نہ ہونا غرور اور بے عقلی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوگا! اگر ایسا اعراض ممکن ہوتا یا یوں چشم پوشی کا کوئی جواز ہوتا تو پیر سجز اور ولی چشت بہشت حضرت سلطانِ اجمیر خواجہ غریب نوازؒ مرقدِ مخدومِ امم کی اوٹ میں چلہ کشی کے لئے ہرگز نہ رکتے اور برصغیر میں ملتِ اسلامیہ کے مقدر کا ستارہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ داتا کی نگری شہر لاہور کو ''قطب الارشاد'' (یا رشد و ہدایت کا مرکز و محور) نہ قرار دیتے! کشف المحجوب کی اہمیت و افادیت اور مرشد لاہور کے مرتبہ و مقام جاننے اور ماننے کے لئے یہی کافی ہے!

مرشدِ لاہور اور سید ہجویر کی اسی عظمت و قدر شناسی کے پیش نظر جنوبی ایشیا میں اولین اقامتی دانشگاہ اور پاکستانی جامعات کے لئے رہنما اور سنگ میل -- پنجاب یونیورسٹی لاہور -- نے اپنے ہاں ''مسند ہجویری'' کے عنوان سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا ہے، اس ادارہ کا قیام درحقیقت اہل لاہور کی صحیح نمائندگی اور اظہار تشکر و احسانمندی کا مظہر ہے! انہی تاریخی حقائق اور معروضی احوال کا تقاضا یہ ہے کہ مسند ہجویری کے زیرِ اہتمام نہ صرف سرزمین پاک بلکہ پورے برعظیم پاک و ہند کے اولیاء اللہ کے معارف کو اجاگر کیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی، خشت اول کے طور پر، کشف المحجوب کو بھی صحیح اور اصلی شکل میں دنیا

Marfat.com

کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اس صحیفۂ تصوف اسلامی کا ایک ایسا ایڈیشن یا مطبوعہ نسخہ تیار کیا جائے جو اغلاط سے پاک ہو اور ایک ایسا اردو ترجمہ بھی لایا جائے جو صحت کے ساتھ سہولت کا حامل بھی ہو، اسی مقصد کے پہلے قدم کے طور پر کشف المحجوب کی طبعات و تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا جائے، ہمارا یہ علمی مذاکرہ یا سیمینار اور اس میں پیش کئے گئے مقالات کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔

اس سیمینار کی ضرورت اور اس میں پیش کردہ مقالات کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا محترم قارئین کا حق بھی ہے اور فریضہ بھی۔ مسند ہجویری ان کی آراء اور تبصروں کے لئے منتظر اور ہمہ تن گوش ہے!

کشف المحجوب کے متن اور ترجمہ پر اہل دانش کے ''مظالم'' نے ہمارے لئے اس سیمینار (☆) کے انعقاد کا جواز مہیا کیا ہے، ہم یہ امید کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ ہمارے فاضل مقالہ نگار اس سلسلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں گے اور اغلاط سے پاک متن کی تیاری اور صحیح و مستند ترجمہ کرنے کے متعلق بھی مفید اور کار آمد تجاویز پیش فرمائیں گے، ان تجاویز کی روشنی میں مسند ہجویری کو اپنا تعمیری لائحہ عمل مرتب کرنے میں بھی مدد ملے گی، ان شاء اللہ!، اپنی بات کو میں پنجاب یونیورسٹی کے عالم فاضل دانشور، علم دوست و ہنر پرور وائس چانسلر جناب ڈاکٹر مجاہد کامران کے تشکر پر ختم کروں گا مگر اس امید کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ بھی کہ ان کی سرپرستی میں مسند ہجویری پنجاب یونیورسٹی، مرشدِ لاہور کے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کے متن اور ترجمہ کو شایان شان انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکے گی! باذن اللہ!

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
استاذ کرسی ہجویری
لاہور، ۲۱ اپریل ۲۰۱۲ء
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(☆) یہ سیمینار ۵ مارچ ۲۰۱۲ء کو شیرانی ہال میں وائس چانسلر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

Marfat.com

کشف المحجوب کی بعض طبعات اور تراجم ایک نظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر*

حضرتِ مرشدِ لاہور شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری، رضی اللہ عنہ، کی عظیم الشان تصنیف کشف المحجوب، جو نہ صرف فارسی زبان میں تصوف کی اولین کتاب ہے بلکہ برصغیر پاک و ہند میں مرتب ہونے والا اولین صحیفۂ تصوفِ اسلامی کی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس کے اب تک ڈیڑھ درجن کے قریب مطبوعہ ایڈیشن سامنے آ چکے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ہر لحاظ سے تصحیح شدہ اور ہر قسم کی اغلاط اور نقائص سے پاک نہیں ہے، اس میں شک نہیں کہ روسی مستشرق ژوکوفسکی نے اس کا ایڈیشن یا مدون و محقق نسخہ تیار کرنے میں قابلِ قدر محنت سے کام لیا تھا اور پھر ایرانی سکالر ڈاکٹر محمود عابدی نے بھی اس کی تحقیق و تدوین میں محنت شاقہ سے کام لیا اور اپنا مدون و محقق نسخہ یا ایڈیشن دنیا کے سامنے پیش کیا جو بلاشبہ نفحات الانس جامی کے محقق و مدون ایڈیشن کی طرح ایک شاندار اور قابلِ تحسین تحقیقی اور تدوینی کارنامہ ہے جو نہ صرف فارسی زبان کے لئے بلکہ حضرت داتا صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا جانے والا ایک قیمتی تحفہ بھی ہے، مگر ان دونوں طبعات میں بھی کچھ نقائص رہ گئے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت مرشدِ لاہور اپنی جگہ متعدد و متنوع علوم اسلامی کے امام تھے بلکہ عربی اور فارسی زبانوں پر بھی کامل عبور رکھتے تھے اس لئے کشف المحجوب کو ایڈٹ کرنے والے کو بھی ان علوم و معارف اور ان زبانوں پر کامل عبور حاصل ہونا چاہیے!

---

* استاذ کرسی ہجویری چیئر، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

اسی ضرورت کے پیشِ نظر ''کشف المحجوب: طبعات و تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے کرسی ہجویری اور کلیہ شرقیہ کے تدریسی و تحقیقی شعبوں کے باہمی تعاون سے ایک سیمینار منعقد کرنے کا پروگرام بنایا گیا، امید ہے کہ ایک درجن کے قریب جن نامور فضلاء، محققین کو مقالات پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ اپنے قیمتی رشحاتِ قلم اور فاضلانہ تحقیقات سے ہمیں نوازیں گے اور کتاب کے مختلف مطبوعہ نسخوں اور اس کے تراجم کے حوالے سے قابلِ قدر معلومات فراہم کریں گے، میں نے بھی اس مختصر سے مضمون میں پانچ طبعات سے صرف دو عبارات کا تقابلی مطالعہ اور پھر انہی عبارات کے چھ تراجم پر بھی نظر ڈالی ہے اور اپنا حاصل مطالعہ پیش کر رہا ہوں، ان پانچ طبعات یا مطبوعہ نسخوں کے تقابلی مطالعہ میں ڈاکٹر عابدی کے تحقیقی ایڈیشن کو اساسی نسخہ یا بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کی ان دو عبارتوں میں سے پہلی عبارت حضرت ابوحلیم حبیب بن سُلیم راعی، رضی اللہ عنہ، کے حالات یا ترجمہ(۱) سے لی گئی ہے جو یوں ہے:

''و شیخ مرا از وی. رضی اللّٰه عنهما. روایات بسیار بود، اما دریں وقت بیش ازیں ممکن نگشت که کتب به حضرت غزنین. حَرَسَهَا اللّٰهُ. ما نده بود، و من اندر ایں دیارِ هند اندر میانِ نا جنسان مانده، و الحمدللّٰه رب العالمین.''

ڈاکٹر عابدی کے مطبوعہ نسخے کی اس عبارت میں اور دیگر چار منتخب مطبوعہ نسخوں کی عبارات میں جو فرق اور اختلاف پایا جاتا ہے اس پر ہم ابھی توجہ دیں گے مگر پہلے اس عبارت کو ہم اپنی اردو میں منتقل کرتے ہیں تاکہ اس کی بنیاد پر ہم آگے چل سکیں اور مطلوبہ نتائج تک بھی پہنچ پائیں(۲):

''اور میرے شیخ نے ان (رضی اللہ عنہما) سے بہت سے واقعات نقل کئے تھے، مگر اب اس وقت ان واقعات میں سے میرے لئے اس سے زیادہ

Marfat.com

لکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کتابیں تو دارالحکومت غزنین ۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔ میں رہ گئی ہیں اور میں اس وقت ہندوستان کے کچھ ناجنس لوگوں میں رہ رہا ہوں!''

خوشی ایڈیشن (۳) میں، رضی اللہ عنہ، ہے، مگر صحیح ''عنہما'' ہی ہے کیونکہ حضرت داتا کی مراد دونوں حضرات ہیں، شیخ رائی اور شیخ ابوالفضل، خوشی ایڈیشن میں ''اما دریں وقت'' کے بعد والی عبارت یوں ہے ''کتب من بحضرت غزنین'' گویا خوشی ایڈیشن میں ''بیش از این ممکن نگشت'' کے الفاظ مفقود ہیں، خوشی ایڈیشن میں ''دیار ہند'' کے بعد یہ اضافہ بھی ہوا ہے کہ ''در بلدہ لہانور کہ از مضافات مولتان است'' اور پھر ناجنسان کے لفظ کے بعد ''گرفتار شدہ بودم'' کا اضافہ بھی ہے!!

ژوکوفسکی ایڈیشن (۴) میں ''ازوی'' کے بعد قوسین میں صرف (رض) لکھا ہے جو رضی اللہ عنہ یا رضی اللہ عنہما، دونوں کا مخفف ہوسکتا ہے، کتب کے بعد ''من'' کا لفظ بھی مفقود ہے، اور دیار ہند کے بعد ''در بلدۂ لہانور'' بھی مفقود ہے، البتہ ناجنسان کے بعد ''گرفتار ماندہ'' آیا ہے،

مولوی شفیع ایڈیشن (۵) میں ''رضی اللہ عنہ'' ہے، ''ممکن نگشت'' کی جگہ ''ممکن نشد'' ہے اور آخر میں ناجنسان کے بعد ''گرفتار شدہ'' بھی آیا ہے۔

علی قویم ایڈیشن (۶) کافی حد تک عابدی ایڈیشن سے ملتا جلتا ہے، صرف دیار ہند کے بعد ''در بلدۂ لہانور کہ از مضافات ملتان است'' آیا ہے اور آخر میں ناجنسان کے بعد ''گرفتار ماندہ'' بھی آیا ہے۔

حضرت مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، کے اس عظیم صحیفۂ اسلامی تصوف کی اس مختصر سی تین سطری عبارت میں ہی نقل کرنے والوں نے اپنے تصرفاتِ مکروہ سے کیا قیامت برپا کر دی ہے! میرے نزدیک یہاں ممکن نگشت یا ممکن نشد کے بعد والی تمام عبارات جعلی اور الحاقی ہیں، اس پر

Marfat.com

مفصل بحث تو میں نے ایک اور جگہ کی ہے اور دلائل بھی دیئے ہیں مگر یہاں سر دست صرف اتنا ہی کافی ہے کہ:

(۱) یہ تمام تحریف ہے جو متن کتاب میں حضرت مؤلف، رضی اللہ عنہ، کے اسلوب کے بھی خلاف ہے، کتاب میں کتنے ہی ایسے مقامات ہیں جہاں آپ یہ فرما دیتے ہیں کہ مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے، یا اپنی اسی کتاب میں کسی اور مقام پر کسی اور باب میں یا فصل کے ضمن میں مزید وضاحت کرنے کا اشارہ دے دیتے ہیں اور پھر یہ موعودہ اضافہ کتاب کے کسی مقام پر ڈھونڈنے سے مل بھی جاتا ہے، پوری کتاب میں صرف یہی ایک مقام ہے جہاں کتابوں کے غزنین میں رہ جانے کی شکایت کی گئی ہے۔

(۲) حضرت ابوحلیم حبیب بن سُلَیم الراعی کی کرامات کے واقعات یا کہانیاں یاد رکھنا اور ضرورت پڑنے پر انہیں بیان کر دینا حضرت داتا صاحبؒ جیسے ذہین و فطین اور عالم و فاضل ولی کامل کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، ایسے اولیاء اللہ کے حافظے تو بے حد مضبوط ہوتے ہیں یہاں تو کتاب کی طرف رجوع کا محتاج ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی نازک علمی یا فنی بات ہوتی تو بھی کچھ مشکل ہو سکتی تھی مگر محض کہانیوں یا واقعات کے لئے کتب کی محتاجی تو ناقابل فہم ہے۔

(۳) ہاں اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہ ہونے کی شکایت ہوتی تو بات ماننے والی تھی، اس میں اگر مقامی لوگ تعاون نہ کرتے ہوتے تو ان کا گلہ جائز ہوتا، مگر کتابیں ساتھ نہ لا سکنے کی ذمہ داری "لاہوریوں" پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟!

(۴) قیام لاہور کے عرصہ میں داتا صاحبؒ کا گرفتار ہونا تو ایک نہایت ہی نامعقول سی بات ہے، وعظ و نصیحت اور انسانی خدمت و خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے ایک درویش پر ہاتھ ڈالنا اور اسے گرفتار کر لینا عام مقامی لوگوں کا نہ تو اختیار تھا اور نہ اس کا کوئی جواز تھا۔

Marfat.com

(۵) یہ یولیدہ اور نا معقول الحاقی عبارت کسی ایسے بدخواہ دشمن کا کرتوت ہو سکتا ہے جو مرشدِ لاہور کو بدنام کر کے ان کی عوام الناس میں مقبولیت کم کرنا چاہتا تھا، مقامی میزبانوں کو شیخ سے بدظن کرنا چاہتا تھا، بالفرض اگر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوتی بھی تو حضرت شیخ جیسا ولی کامل اپنے میزبانوں کا یوں گلہ نہیں کر سکتا اور وہ بھی اس عظیم الشان صحیفۂ تصوفِ اسلامی کے صفحات میں!؟

اس قسم کی خرافات اور فضولیات سے کشف المحجوب کو پاک ہونا چاہیے، حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر محمود عابدی جیسا فاضل محقق بھی اس ''خرافات'' میں سے کانٹ چھانٹ کے بعد ہی سہی کچھ نہ کچھ عبارت تو قبول کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کم از کم پاورقی میں ہی اس اضافہ کو نا معقول جسارت قرار دے کر مسترد کر دینا مناسب تھا، البتہ علمی امانت کی خاطر حاشیہ پر اس نا معقول اضافہ کو ذکر کرنا ان کی مجبوری ہوتی! اس نا معقول اضافہ میں سے چھان پھٹک کے بعد کچھ نہ کچھ لے لینا نہ صرف ایسے بدخواہ جعل سازوں کی حوصلہ افزائی ہے بلکہ کھوٹ کو کھرے پن کی سند دے کر قبول کر لینے کے مترادف بھی ہے، اس عبارت میں یہ اضافہ قطعی طور پر الحاقی ہے اور اسے حاشیہ پر علمی امانت کا تقاضا سمجھتے ہوئے ریکارڈ کر دینا بادل ناخواستہ ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا!

اب ہم ایک اور عبارت لیتے ہیں جو اگر کشف المحجوب کا دل نہیں تو اس کا جگر بلکہ لختِ جگر تو ضرور ہے اور وہ ہے حضرت مرشد لاہور، رضی اللہ عنہ، کی شادی یا ازدواجی زندگی سے متعلق عبارت جس میں حضرت یوں رقمطراز ہیں:

ڈاکٹر عابدی ایڈیشن (۷):

> ''و مرا که، علی بن عثمان الجلابی ام، از پسِ آنکه یا زده سال از آفت تزویج نگاه داشته بود، تقدیر کرد تا به فتنه ای در افتادم، و ظاهر و باطنم اسیر صفتی شد که با من کردند،

Marfat.com

بی از آنکه رؤیت بوده بود، ویک سال مستغرق آن بودم،
چنانکه نزدیک بود که دین بر من تباه شدی، تا حق تعالیٰ
به کمال فضل و تمام لطفِ خود، عصمت خود به استقبال
دلِ بیچارۂ من فرستاد، وبه رحمت خلاصی ارزانی داشت ،
والحمد للّٰہ علی جزیل نعمائه!''

باقی چار مطبوعہ نسخوں کے فرق و اختلاف کی نشاندہی کرنے سے پہلے اس مذکورہ بالا عبارت کو ہم اپنی سادہ اردو میں منتقل کرتے ہیں:

''اور مجھے، کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، اس (پہلے نکاح) کے بعد کہ گیارہ سال تک (حق تعالیٰ نے؟) شادی کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا، تقدیر کا کرنا یہ ہوا کہ ایک اور آزمائش میں پڑ گیا میں اپنے ظاہر و باطن میں ایک ایسی خوبی کا اسیر بن گیا جو لوگوں نے مجھ سے بیان کی تھی بغیر اس کے کہ میں نے اسے (خاتون کو؟) نظر سے دیکھا ہو، ایک سال تک اسی (کے خیال میں؟) میں مستغرق رہا اس طرح کہ میرا دین بھی برباد ہونے کو تھا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے پورے لطف و کرم سے اپنی حفاظت کو میرے مسکین دل کی چارہ گری کرنے کے لئے ارسال فرمادیا اور اپنی رحمت سے میرے چھٹکارے کا سامان کر دیا، اللہ تعالیٰ کے اس بڑے کرم پر شکر ہے!''

خوشی ایڈیشن (۸) کا عابدی ایڈیشن سے مکمل اتفاق ہے سوائے اس کے کہ ''رؤیت بودہ'' کے بعد ''بود'' کا اضافہ نہیں ہے اور ''تباہ شدی'' کے بجائے ''تباہ شود'' ہے۔

ژوکوفسکی ایڈیشن (۹) بھی عابدی ایڈیشن کے مطابق ہی ہے سوائے اس کے کہ ''بفتنہ

Marfat.com

ای در افتادم'' کو''بفتنہ در افتادم'' اور''بہ استقبال'' کو''باستقبال'' لکھا ہے مگر اس معمولی فرق کا تعلق صرف املاء اور رسم الخط سے ہے۔

مولوی شفیع ایڈیشن (۱۰) میں ''رضی اللہ عنہ'' ہے پھر داشتہ بود کے بعد ''ہم بتقدیروی بفتنہ اندر'' پھر ''دین برمن تباہ شود'' اور ''باستقبال دل'' آیا ہے۔

علی قویم ایڈیشن (۱۱) میں: ''از پس آن کہ پانزدہ سال'' ''ظاہر و باطنم اسیرِ پری صفتی شد'' ''چنداکہ نزدیک بود'' ''تاخدا تعالیٰ بکمال'' ''باستقبال دل'' آیا ہے۔

''کشف'' کے مطبوعہ نسخوں میں ایرانی سکالر ڈاکٹر محمود عابدی کے ایڈیشن کو برتری اور فضیلت حاصل ہے جو ۱۳۸۳ھ ش میں پہلی بار تہران سے منصۂ شہود پر آیا محقق نے یہ نسخہ بڑی محنت شاقہ کے ساتھ مرتب کیا تھا اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا ہے، اس لئے آئندہ ''کشف'' کی تحقیق اور ایڈٹ کرنے یا اغلاط سے پاک نسخہ تیار کرنے کے لئے کام کا آغاز جب بھی ہوگا اسی عابدی ایڈیشن سے کرنا پڑے گا۔

اساسی ایڈیشن یعنی عابدی ایڈیشن کے بعد ہمارا دوسرا ایڈیشن ''خوشی ایڈیشن'' ہے جو ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۲ء میں لاہور سے میاں الحاج خوشی محمد کی سرپرستی میں ''معظم پرنٹرز'' نے شائع کیا، اس کے متعلق میاں خوشی صاحب کا دعوی ہے کہ یہ نسخہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے تیار ہوا تھا، اگرچہ یہ دعوی بلا دلیل ہے مگر خطی نسخہ کا عکس ہونے کے باوجود بھی یہ اغلاط سے پُر ہے۔

ہمارا تیسرا نسخہ علی قویم ایڈیشن ہے جو ''نسخہ تہران'' کہلاتا ہے اور قاسم انصاری کے مفید مقدمہ کے ساتھ ''کتاب خانہ طہوری'' تہران نے ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ میں شائع کیا مگر یہ بھی اغلاط سے پُر ہے، یہ دراصل روسی مستشرق ژوکوفسکی کے محققہ مطبوعہ نسخہ پر مبنی ہے۔

ہمارا چوتھا مطبوعہ نسخہ ''مولوی شفیع ایڈیشن'' ہے جو پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم

Marfat.com

کے فرزند جناب احمد ربانی کے زیرِ اہتمام ''نوائے وقت پرنٹرز'' نے ۱۹۶۸ء میں لاہور سے شائع کیا تھا۔

ہمارا پانچواں نسخہ ''فاؤنڈیشن ایڈیشن'' ہے جو دراصل پروفیسر ژوکوفسکی اور علی قویم ایڈیشن کی نقل ہی لگتی ہے، یہ ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں، مرکز تحقیقاتِ فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد کی سرپرستی میں اسلامک فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کیا تھا، مگر یہ ایڈیشن کسی اصلاح یا اضافہ کے بغیر شائع ہوا اس لئے اس میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو ژوکوفسکی یا علی قویم ایڈیشن میں تھیں، البتہ اس میں بعض جگہ طباعت کی نئی غلطیوں کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔

ڈیڑھ دو درجن مطبوعہ نسخوں میں سے صرف پانچ منتخب طبعات میں سے لی گئی اس پانچ سطری عبارت میں فرق اور اختلاف کا یہ عالم ہے کہ علی قویم والا نسخہ تو یازدہ سال (گیارہ سال) کو ''پانزدہ سال'' یعنی پندرہ سال بتا رہا ہے اور ''ظاہر و باطنم اسیر پری صفتی شد'' (یعنی میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت عورت کا اسیر ہو گیا) بتا رہا ہے، حالانکہ باقی چار طبعات (یا ایڈیشنز) میں ''پری'' کا لفظ بھی نہیں آیا اور مدت بھی سب نے یازدہ (یعنی گیارہ سال) ہی ذکر کی ہے مگر علی قویم ایڈیشن میں یہ مدت پندرہ سال بتائی جا رہی ہے اور ''پری صفت''، یعنی پریوں جیسی عورت، بھی مذکور ہے، کچھ یار لوگوں نے ''پری صفت'' کو چمکا کر ''پری چہرہ'' بھی بنا دیا ہے، گویا خدانخواستہ ایک ولی اللہ صوفی حسن پرستی کا شیوہ رکھتے تھے اس لئے انہیں صرف زبانی کلامی عورت کا حسینہ ہونا بتایا گیا اور وہ اس خیالی حسن میں بھی ایسے کھو گئے کہ اسی خیال خیال میں ہی پورا سال بیت گیا، حالانکہ ''صفتی'' کا مطلب تو کوئی سی خوبی بھی ہو سکتی ہے، ظاہر ہے مرشدِ لاہور کے لئے پری چہرہ کی نسبت تقویٰ اور نیکی سے متصف ہونا ہی کافی تھا، کیونکہ حضرت داتا صاحبؒ بتا رہے ہیں کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کی کمزوری ہوتے ہیں، اگر کسی پسندیدہ صفت مرد یا عورت کا ذکر کیا جائے اور انہیں اس سے پہلے اچھی ازدواجی زندگی کے تجربہ سے گذرنا بھی نصیب

ہو چکا ہوتو مطلوبہ پسندیدہ صفت مرد یا عورت میں کشش محسوس ہونا قدرتی اور فطری بات ہے، اگر حسن ظن سے کام لینا اچھی بات ہوتو حضرت داتا صاحبؒ کے بارے میں یہی حسن ظن بہتر ہے کہ آپ کو جس خاتون کے رشتہ میں رغبت دلائی گئی ہوگی وہ کوئی متقی اور نیک صفت خاتون ہونگی، چونکہ آپ ایک عورت کے ساتھ شادی کے خوشگوار تجربہ سے گذر چکے تھے اس لئے اس متقی و نیک صفت خاتون سے شادی کی خواہش آپ کے خیالوں پر چھا گئی اور یہ خواہش ذکر و عبادت میں خلل انداز ہوتی رہی مگر غالباً بات چیت آگے بڑھانے والے کوئی مخلص خاندانی بزرگ کام نہ آسکے ہونگے، اس لئے ایک سال تک شادی کی یہ خواہش گومگو کے انداز میں ہی خیالوں پر چھائی رہی ہوگی جو فطری امر اور جائز بات ہے بلکہ ممکن اور معقول بات بھی ہے، یہ داتا صاحبؒ کی عظمت ہے کہ اس جائز کوتاہی کو بیان کرنے میں بھی آپ نے کوئی جھجک محسوس نہ فرمائی بلکہ اعتراف کیا کہ گزشتہ زمانوں میں جو نیک مرد عورت سے متاثر ہوتے رہے تھے وہ بھی سب حق بجانب تھے جس طرح کہ خود حضرت داتا صاحب بھی یہاں متاثر ہونے اور اس کا اعتراف کرنے میں نہ صرف یہ کہ حق بجانب ہیں بلکہ اعتراف کی جرئت ان کی بڑائی کی بھی دلیل بن گئی ہے!

بہر حال ہمارا اصل موضوع اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ داتا صاحبؒ کی کتاب کے خطی اور مطبوعہ نسخے تیار کرنے والے کیا کیا قیامتیں ڈھاتے رہے اور پھر ترجمہ کرنے والے کن کن اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے رہے اور ان اندھیروں میں جو ہمارے لئے ترجمے کر کے لاتے رہے وہ ہمیں کن کن بھول بھلیوں میں ڈالنے کے لئے کوشاں رہے ہیں، اس لئے اب ہم ان میں سے بھی صرف چھ مترجمین لیتے ہیں اور دیکھیں گے کہ وہ ہمیں ترجمہ میں کیا کیا دیتے رہے ہیں مگر ان تراجم پر تنقیدی نظر ڈالنے کے لئے آگے بڑھنے سے قبل یہ ذہن نشین کرنا بھی ضروری ہے کہ:

(۱) ان اُردو مترجم حضرات میں ایک کمی یہ نظر آتی ہے کہ وہ سب کے سب ۔ الا ماشاء اللہ ۔ ان تمام علوم و معارف پر عبور نہیں رکھتے جن میں مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، امامت اور

Marfat.com

قیادت کے منصب پر فائز تھے،ان کے لئے تو عربی اور فارسی دونوں زبانیں روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں،جبکہ ہمارے یہ مترجم ان کے بلند مقام تک تو پہنچ ہی نہیں پاتے، بلکہ ان مترجمین میں سے بعض تو محض تبرکا اور شغلا کشف کے ترجمے کرتے رہے ہیں۔

(۲) حضرت داتا صاحبؒ کا عہد مکمل طور پر بلکہ بعد کے زمانے بھی مکمل طور پر خطی اور دستی تحریروں کے زمانے تھے، اس لئے نقل نویسوں نے برصغیر میں تصوف پر فارسی کی اس اولین کتاب پر بہت ''مظالم'' توڑے ہیں،خود داتا صاحبؒ کی خودنوشتہ کوئی کاپی محفوظ نہیں رہ سکی اور یہ محض دعوی ہے کہ ''نسخہ خوشی'' حضرت داتا صاحبؒ کا اپنا لکھا ہوا ہے،اس کی کوئی دلیل یا ثبوت نہیں ہے۔

(۳) لہذا اس وقت جو مطبوعہ نسخے متداول ہیں ان میں سے کوئی بھی اغلاط سے پاک نہیں یا اسے پاک کرنے کی کامیاب کوشش کی ہی نہیں جا سکی ،حتی کہ ایرانی دانشور اور محقق کشف ڈاکٹر محمود عابدی کا نسخہ باوجود قابل قدر و قابل تحسین محنت شاقہ کے ، اغلاط سے پاک نہیں، بلکہ ان دو مختصر سی تین یا چھ سطری عبارات میں بھی نقائص موجود ہیں مثلاً ڈاکٹر عابدی کے ہاں اس دوسری عبارت میں ''از پس آن کہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود'' میں ''نگاہ داشتہ بود'' کا فاعل موجود ہی نہیں اور وہ تھا: ''حق تعالیٰ'' جو دیگر نسخوں میں موجود ہے، بہر حال بے عیب صرف خدا کی ذات ہے جس کا فرمان ہے کہ ''وفوق کل ذی علم علیم''!

حضرت مرشدِ لاہور کے زندۂ جاوید صحیفۂ تصوفِ اسلامی کشف المحجوب کے تیس سے زائد ترجمے اس وقت دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے اکثر اردو میں ہیں، مگر نہ صرف یہ تمام اردو تراجم بلا استثناء اغلاط اور نقائص سے پر ہیں بلکہ دیگر زبانوں کے تراجم کی طرح عربی اور

Marfat.com

انگریزی ترجمے بھی تقریباً ایسے ہی ہیں بلکہ ان کی بعض اغلاط اور نقائص تو ایسے دردناک اور مضحکہ خیز ہیں کہ ہنسی کے ساتھ ان پر رونا بھی آتا ہے۔ ان مختلف ترجموں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے بھی ہم سرِ دست صرف چھ تراجم کو لیں گے جن میں سے تین اردو، ایک انگریزی، ایک پنجابی اور ایک ہی عربی ترجمہ ہے۔

سب سے پہلے ہم عربی ترجمہ کو لیتے ہیں جس کی مترجم ایک مصری خاتون سکالر ڈاکٹر اسعاد عبدالہادی قندیل ہیں (اسی ترجمہ کے متعلق راقم کا ایک مقالہ بھی اس مجموعے کے آخر میں آپ دیکھ سکتے ہیں):

یہ عربی ترجمہ ''کشف المحجوب للھجویری'' کے عنوان سے ۱۹۸۰ء میں بیروت سے شائع ہوا تھا، نمونے کے طور پر ہم صرف وہی تین سطری اور چھ سطری عبارات یا پیروں کا ترجمہ ہی دیکھیں گے جو پانچ مختلف ایڈیشنوں سے لئے گئے ہیں اور جن کا یہاں مطالعہ کر کے قارئین ان سے پہلے ہی مانوس ہو چکے ہیں، پہلی عبارت یا پیرا ایک صوفی ولی حضرت ابوحلیم حبیب بن سُلَیم راعی (چرواہا) کے حالات میں سے ہے جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر اسعاد نے یوں کیا ہے (۱۲):

''و كان لشيخي، رضوان الله عليه، روايات كثيرة عنه، ولكن ليس من الميسر في هذا الوقت أكثر من هذا، لأنَّ كتبي بقيت في حضرة غزنين، حرسها الله، وأنا في ديار الهند في بلدة (لها نور) من توابع الملتان، أسير بين أناس ليسوا من جنسي، والحمد لله رب العالمين!''

فارسی سے اس عربی ترجمہ کا امانت دارانہ اردو ترجمہ تقریباً لفظی اس طرح ہے: ''اور میرے شیخ، ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں، کے پاس ان کے بارے میں بہت سی روایات یعنی واقعات یا کہانیاں ہیں، مگر اس وقت اس سے زیادہ میسر نہیں، کیونکہ میری کتابیں دارالحکومت

Marfat.com

غزنین ، اللہ تعالیٰ اسے بچائے رکھے ، میں رہ گئی ہیں اور میں ملکِ ہند کے شہر (لہانور) میں ہوں ، جو ملتان کے تابع شہروں میں سے ہے ، میں ایسے لوگوں میں قید ہوں جو میری جنس کے نہیں ہیں ، تمام حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہے!''

دوسری چھ سطری عبارت جس کے متن کا مطالعہ ہم پانچ مختلف طبعات کی مدد سے پہلے ہی کر چکے ہیں ، اب اس کے مختلف ترجموں پر نظر ڈالتے ہیں جن میں سب سے پہلے عربی ترجمہ آتا ہے ، چنانچہ مصری خاتون سکالر ڈاکٹر اسعاد اس عبارت کو اپنی سادہ مگر خوبصورت عربی میں پیش کرتی ہیں (۱۳):

''و أنا علی بن عثمان الجلابی ، من بعد أن حفظنی الحق تعالی من آفة الزواج احد عشر عاما ، قَدَّر أن وقعت فی الفتنة ، وصار ظاهری و باطنی أسیراً للصفة التی کانوا علیهامعی ، دون ان تکون هنالک رؤیة ، وقد استغرقت فی ذلک عاما ، بحیث کا د یفسد علی دینی ، اِلی أن بعث الحق تعالی ، بکمال فضله و تمام لطفه ، عصمته لاستقبال قلبی المسکین ، ومنَّ علی بالخلاص برحمته ، والحمد للّٰه علی جزیل نعمائه''

اب اس سادہ مگر خوبصورت عربی ترجمہ کا سادہ مگر تقریباً لفظی اردو ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے: ''اور میں جو کہ علی بن عثمان جلابی ہوں ، اس کے بعد کہ حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی ذمہ داری سے محفوظ رکھا ہوا تھا ، اسی کی قدرت کا کرنا تھا کہ میں پھر ایک آزمائش میں پڑ گیا ، میرا ظاہر اور باطن اس خوبی کا اسیر (یا فریفتہ) ہو گیا تھا جو لوگوں نے مجھ سے بیان کی تھی ، بغیر اس کے کہ میں نے اسے (اس خاتون کو) دیکھا ہوتا ، میں ایک سال تک اسی (کے) خیال

Marfat.com

میں مستغرق رہا، اس طرح کہ میرا دین برباد ہونے کو تھا، حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمالِ فضل اور پوری مہربانی سے اپنی پناہ گاہ کو میرے مسکین دل کی خاطر بھیج دیا اور اپنے احسانِ رحمت سے مجھے چھٹکارا دلا دیا، اور اللہ تعالیٰ کے اس بڑے انعام پر اس کی حمد و ستائش ہے!''

ہو سکتا ہے میری اردو میں کوئی نقص یا عیب ہو مگر محترمہ ڈاکٹر اسعاد کی اس سادہ مگر خوبصورت عربی میں کوئی عیب ہے نہ نقص انہوں نے فارسی عبارت میں موجود عربی الفاظ سے بھی خوب فائدہ اٹھایا ہے تاہم انہوں نے مرشدِ لاہور اور سید ہجویر کی بات کو اپنے عرب قاری تک بہت اچھے اسلوب میں پہنچا دیا ہے، اس لئے اس پر کسی مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں بلکہ ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا!''

ہم نے ''کشف'' کے عربی ترجمہ کی ایک دو جھلکیاں دیکھ لی ہیں اور ہمارا سرسری سا تاثر یہ ہے کہ کئی ایک کمزوریوں اور نقائص سے قطع نظر، اس مصری خاتون سکالر نے مرشدِ لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، کے افکار و مطالب کو عرب قارئین تک بخوبی پہنچا دیا ہے اس لئے ہم اس کے احسانمند اور شکرگزار ہیں، اس لئے اب ہم معروف برطانوی مستشرق پروفیسر نکلسن کے انگریزی ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہوں نے ''کشف'' کے ۱۹۰۳ء میں لاہور سے شائع ہونے والے متن کی بنیاد پر کیا تھا اور انہوں نے ۱۹۱۱ء میں لندن سے اپنے اس انگریزی ترجمہ کو شائع کیا تھا پہلی عبارت یا پیرا (جو حضرت ابوحلیم حبیب بن سُلَیم راعی، علیہ الرحمہ، کے حالات سے لیا گیا ہے) کا انگریزی ترجمہ ہے (۱۴):

"My Shaykh had further traditions concerning him, but I could not possibly set down more than this (*andar waqt-i man diqi bud u bish az in mumkin na shud*), my books having been left at Ghazna - may God guard it! - while I'myself had

Marfat.com

become a captive among uncongenial folk (*dar miyan-i najinsan*) in the district of Lahawur, which is adependencey of Multan."

پروفیسر نکلسن نے فارسی لفظ ''گرفتار'' کا ترجمہ Captive یعنی قیدی، پابند یا غلام سمجھا ہے، قطع نظر اس کے کہ ہمارے نزدیک یہ عبارت الحاقی ہے یعنی بعد میں اسے بڑھا دیا گیا ہے، تاہم گرفتار کے معنی صرف، قیدی یا پکڑا ہوا نہیں، ہوتے، بلکہ اس کا مقصد یہاں لوگوں سے بیزاری ظاہر کرنا مقصود ہے! بہر حال ہم اسے ایک لال بجھکڑ کی ''دور کی کوڑی'' کہہ سکتے ہیں جو اندھے کو اندھیرے میں سوجھا کرتی ہے! واللہ اعلم بالصواب!

اب ہم دوسرے پیرے یا عبارت کے انگریزی ترجمہ کی طرف آتے ہیں جو 'کشف'' کے باب تزویج و تجرید سے ہے، یہاں پروفیسر نکلسن ''آفۃ التزویج'' کا ترجمہ dangers of matrimony کرتے ہیں یعنی ''شادی کے خطرات'' جو بہت مناسب بلکہ خوبصورت ترجمہ ہے باقی عبارت کا ترجمہ بھی موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے، نکلسن کے الفاظ ہیں (۱۵):

"After God had preserved me for eleven years from the dangers of matrimony, it was my destiny to fall in love with the description of a woman whom I had never seen, and during a whole year my passion so absorbed me that my religion was near being ruined, until at last God in His bounty gave protection to my wretched heart and mercifully delivered me."

پروفیسر نکلسن ایک نیک نام، فاضل اور علمی مشقت میں خونِ جگر صرف کرنے والے برطانوی مستشرق مانے گئے ہیں، عربی اور فارسی زبان پر عبور رکھنے کے علاوہ عربی زبان و ادب کے بھی ماہر تھے اور انہیں دونوں زبانوں کے صوفی ادب سے نہ صرف یہ کہ گہری دلچسپی تھی بلکہ وہ

Marfat.com

مسلمان صوفیوں سے ہمدردی اور دلی لگاؤ بھی رکھتے تھے، دوسرے لفظوں میں وہ مرشدِ لاہور کی کشف المحجوب پر کام کرنے کے اہل تھے اس لئے ان کی ٹرانسلیشن اور استنباط و استنتاج عموماً درست اور بہت قیمتی ہوتے ہیں، البتہ انہوں نے حضرت جبیب رائی ، رحمتہ اللہ علیہ ، کے والد کا نام سَلِیم (Salim) لکھا ہے مگر اس نام کا مشہور تلفظ تو سُلَیم (Solaim) ہے تاہم یہ بالکل معمولی بات ہے اور اس سے چشم پوشی کرنا بھی روا ہوگا!

چند ایک اردو تراجم کی کچھ جھلکیاں دیکھنے سے پہلے نہایت قابل قدر مگر قابل رحم اور مظلوم زبان، پیر وارث شاہ کی زبان پنجابی میں کشف کے ایک ترجمہ پر بھی نظر ڈالنا ہم فرض سمجھتے ہیں، یہ ترجمہ جناب محمد شریف صابر نے کیا ہے اور اسے قاضی پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا تھا، فاضل مترجم نے ہمارے زیر مطالعہ پہلی عبارت یا پیرے کے ترجمہ میں کوئی خاص بات تو پیدا نہیں کی البتہ لاہور کو ملتان کے قریب ایک شہر قرار دے دیا ہے، ان کا پنجابی میں ترجمہ یوں ہے (۱۶):

> ”میرے مرشد کول اوہناں دیاں چوکھیاں روائتاں سن، پر اپنے سمے وچ میرے کولوں ایس تو ودھ اتارا نہیں ہوسکیا، میریاں کتاباں غزنی شریف وچ ای رہ گئیاں ہان (اللہ اوہنوں بچائے رکھے) تے میں ملک ہندوستان دے شہر لاہور وچ ہاں، جہیڑا ملتان دے لاگے وے، میں ایتھے گنگی لوکاں وچ پھسیا بیٹھاں، سکھ دکھ ہر حالت وچ جہاناں دے پالنہار دا شکرائے“

یہاں مترجم نے گرفتار ماندہ کا ترجمہ ”پھسیا بیٹھاں“ یعنی میں پھنسا ہوا ہوں، کیا ہے جو زیادہ موزوں اور مناسب لگتا ہے، گرفتار کا ترجمہ Captive یا قیدی نہیں کیا، جیسا کہ پروفیسر نکلسن دور کی کوڑی لائے ہیں!!

اب اس سلسلے کے دوسرے پیرے یا عبارت کا پنجابی ترجمہ دیکھتے ہیں جو شریف صابر

Marfat.com

یوں پیش کرتے ہیں (۱۷):

''مینوں علی بن عثمان جلابی نوں پندرہاں ورھیاں تائیں جوڑا بنن دے خیال توں بچاون مگروں وی تقدیر نے اجیہا پر ماریا کہ میں نوں بھرما کے ازمائش وچ سٹ دتا، میرا ظاہر تے باطن اک اجیہی پری صفت دا بندی وان ہو گیا جنوں میں ویکھیا ہویا وی نہیں سی، تے اک ورھا میں اوہدے خیال وچ ایناں ڈبا رہیا کہ میرے دین وچ وگاڑ پین ای لگا سی کہ خداوند تعالیٰ نے مینوں اپنے کمال فضل تے پورے کرم نال اپنے ولوں بھیجے گئے راکھےنوں میرے جیے بے وسّے دے دل نوں اگلوانڈھی جا کے چھڈاون لئی گھلیا تے اوھنے اپنی رحمت نال مینوں چھٹکارہ عطا کیتا!''

یہاں پر اس پنجابی ترجمہ میں ''صفتی (ایک خوبی)'' کے ساتھ شروع میں ''پری'' کا لفظ بڑھایا گیا ہے جس کا سبب غالباً اصل نسخہ مطبوعہ ہے جو مترجم کے سامنے تھا اور جو خود ان کی صراحت کے مطابق ''مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد'' کا مطبوعہ نسخہ ہے، حالانکہ ''صفتی کردند'' کے ساتھ ''پری'' کا لفظ جچتا ہی نہیں، مگر یہ محض چٹخارہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں، داتا صاحبؒ جیسے بزرگ کے لئے پریوں جیسے ظاہری حسن کے بجائے کردار کا باطنی حسن زیادہ موزوں تھا، کیونکہ وہ اسی عبارت کی رو سے پہلے شادی کے کامیاب تجربہ سے گذر چکے تھے! اس لئے جب انہیں یہ بتایا گیا کہ آج کے اس دور میں ''ایک اللہ والی خاتون'' ایسی موجود ہے کہ تقوی اور نیکی سے متصف ہے اور آپ جیسے کسی بھی اللہ والے نیک بندے کی رفیقۂ حیات بننے کی اہل ہیں تو داتا صاحبؒ نے اس خاتون کے وجود کو غنیمت جانا اور اس سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے مگر بعض نامعلوم وجوہ کے باعث یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، شاید وہ اللہ کی بندی اس رشتہ میں منسلک نہ ہونے کا عزم رکھتی ہوں یا شاید انہیں آمادہ کرنے

والے کسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے ہوں، خود داتا صاحب براہِ راست تو موصوفہ سے مل سکے نہ اسے دیکھ سکے جیسا کہ خود انہوں نے واضح لفظوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے، مگر ایک تندرست اور توانا انسان (خواہ ولی کامل شیخ لاہور ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ھاروت ماروت فرشتے یا حضرت آدم علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں) جو شادی کے تجربہ سے گذر بھی چکے ہوں ان کا ازدواجی زندگی کی طرف مائل ہونا قدرتی بات ہے اور اس کے خیال میں گم رہنا اور اسی حال میں ایک سال کا عرصہ بھی بیت جانا قابل فہم اور معقول بات ہے، مگر اس کیفیت سے نکلنا اور نہایت مناسب وقت اور موزوں باب میں اس کی صراحت کر دینا کمال جرئت بلکہ مومنانہ صداقت کی نشانی بھی ہے (اور اسے چھپانا بزدلی اور منافقت ہوتی ؟!)

مگر ''صفتی'' کے شروع میں ''پری'' کا لفظ بڑھا دینا اور پھر اس کا ترجمہ ''پری چہرہ'' کرنا (حالانکہ اسے نہ دیکھنے کی تو واضح صراحت ہے، ان کا چہرہ واقعی پریوں والا تھا بھی یا نہیں) مگر محض چٹخارہ کے لئے اس خاتون کو پری صفت یا پری چہرہ کہنا یا لکھنا علم وفضل والوں کو زیب نہیں دیتا، مجھے تو یہ یقین ہے کہ سید ابوالحسن جیسے پابند سنت ولی اللہ کے لئے محض پری چہرہ یا پری صفت ہونا باعث کشش نہیں ہو سکتا، ان کے لئے تو فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق ''ذات الدین'' یا دیندار خاتون ہی کشش کا باعث ہو سکتی تھی، یہ بھی بدقسمتی اور دکھ کی بات ہے کہ یہ رشتہ کسی وجہ سے قائم نہ ہو سکا، البتہ ایک ولی اللہ کے لئے حواء کی ایک نیک بیٹی کے لئے کشش پیدا ہونا اور اس خیال میں ایک سال بیت جانا جائز، قدرتی اور معقول بات ہے مگر اس کیفیت سے نکل آنا اور اس ایک سال کو ضیاع دین سمجھنا اور پھر اس واقعہ کا برملا اور صراحت کے ساتھ اعتراف کرنا بھی انسانی کمالات کی بلندی ہے اور یہ بات شیخ سید ابوالحسن، رضی اللہ عنہ، کو ہمارے لئے محبوب بناتی اور ان سے ہماری عقیدت کو پختہ کرتی ہے!!

ہم نے خود کو کشف المحجوب کے ان تین سطری اور چھ سطری پیروں تک جو محدود رکھا ہے

Marfat.com

تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم ان دونوں عبارات سے مانوس ہو گئے ہیں، ان کا ترجمہ اور مفہوم ذہن نشین کرنا بھی آسان ہو گیا ہے، اس لئے اب ہم اردو میں کشف کے صرف تین ترجموں کو دیکھیں گے اور معلوم کریں گے کہ ہمارے یہ اردو مترجم کیا کیا کرتے رہے ہیں (یہ تو ہم دیکھ چکے کہ کتاب کو تحقیق و تدوین سے گذار کر مرتب کرنے میں لوگ کیا کیا کرتے رہے ہیں؟) تو سب سے پہلے کشف کے تازہ ترین ترجمہ کو لیتے ہیں جو ہمارے ایک معاصر دانشور جناب ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کا کارنامہ ہے، یہ ترجمہ ۲۰۰۷ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور نے شائع کیا ہے، فاضل دانشور پہلے والے پیرے کا ترجمہ کرتے ہیں (۱۸):

''میرے مرشد نے آپ سے کئی روایات بیان کی ہیں لیکن اس وقت اس سے زیادہ کا بیان ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنین (اللہ تعالیٰ اس شہر کی حفاظت فرمائے) میں پڑی ہیں اور میں لاہور کے شہر میں ہوں جو ملتان کے مضافات میں واقع ہے اور میں یہاں ناجنس لوگوں میں پھنسا ہوا ہوں، آرام و تکلیف ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے!''

اب آیئے ذرا دوسری عبارت کا ترجمہ بھی دیکھ لیتے ہیں، ڈاکٹر شبلی فرماتے ہیں! (۱۹):

''میں علی بن عثمان جلابی گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رہا، لیکن اس کے بعد تقدیر نے مجھے اس فتنے میں مبتلا کر دیا اور بے دیکھے میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت لڑکی کی زلف گرہ گیر کا اسیر بنا دیا گیا، ایک سال تک میں اس میں ایسا گرفتار رہا کہ میرا دین تباہ ہونے کو تھا، یہاں تک کے حق تعالیٰ نے کمال مہربانی سے اور اپنے فضل سے میرے دل کو ہلاکت سے بچانے کا سامان فرمایا اور اپنی رحمت سے خلاصی بخشی''

ڈاکٹر شبلی صاحب کے اس ترجمے کے متعلق یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ ''بہت آزاد''

Marfat.com

ترجمہ ہے اور آزادی کا عالم یہ ہے کہ یہاں ''چٹخاریات'' بہت بلندی پر پہنچ گئی ہیں، حضرت داتا صاحبؒ کے ایک لفظ ''صفتی'' کو ایک پری صفت لڑکی کی زلف گرہ گیر'' بنا دیا گیا ہے!

اب ہم ایک اور'' آزاد ترجمے'' کو لیتے ہیں جو ''الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی مرحوم'' کی کوشش ہے اور اسے ۱۹۸۱ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے شائع کیا تھا، اس کی ''آزادی'' کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ دو ہی تو عبارات ہیں جو بے حد مختصر ہیں اور ان کے معانی اور مفہوم سے بھی آپ مانوس اور آگاہ ہو چکے ہیں، پہلی عبارت کا ترجمہ یوں فرمایا گیا ہے(۲۰):

> ''حضرت شیخ مذکور کے اور بھی بکثرت احوال و روایات ہیں، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں، کیونکہ جب میں ملتان کے علاقے (بھنور) میں دشمنوں کے چنگل میں محصور تھا تو میری کتابیں غزنی میں رہ گئی تھیں''

یہ آزاد ترجمہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں آزادانہ روش کے ساتھ اختصار سے بھی کام لیا گیا ہے مگر اس لحاظ سے معنی خیز بھی ہے کہ لہانور یا لاہور کو بھنور بنا کر ملتان کے علاقہ میں پہنچا دیا گیا ہے!

اب ذرا دوسری عبارت کے ترجمے کا صرف حال سن لیجئے کہ مترجم نے نہ صرف یہ کہ ہماری مختصر سی عبارت کو بالکل گول کر دیا ہے بلکہ کشف کے پانچ صفحات کے پورے باب کو صرف سات سطروں میں سمیٹ دیا ہے! اسے کہتے ہیں دریا کو کوزے میں بند کرنا! سبحان اللہ (۲۱)!

سب سے آخر میں اس ترجمہ کو لیتے ہیں جو بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اور جس کا فاضلانہ و محققانہ مقدمہ ہمارے بزرگ دوست حکیم محمد موسیٰ امرتسری، رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے جو اہم حقائق اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اس ترجمے کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ حال ہی میں فیصل آباد کے ایک مخیّر ادارے ''مدینہ فاؤنڈیشن'' نے اس ترجمے کا نقش ثانی شائع کیا ہے

Marfat.com

جس کا کاغذ بہت اعلیٰ اور جلد بھی بہت خوبصورت ہے، یہ نقش ثانی دو فاضل دانشوروں کی ''محنت شاقہ کا ثمر'' ہے اور اس کی ''تحقیق، تخریج وتدوین جدید'' فرمائی گئی ہے مگر اس ''جسارت کا شکار'' حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، رحمۃ اللہ علیہ، کا ترجمہ ہے!! مولانا کا ترجمہ عالمانہ اور با محاورہ ہے مگر بعض مقامات محل نظر بھی ہیں، وہ پہلی عبارت یا ہمارے اس مانوس ومذکور پیرے کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں (۲۲):

''علاوہ اس کے میرے شیخ سے یہاں بہت سی روایات ہیں، لیکن میں اس وقت ضیق میں ہوں، اس وجہ سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا، میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں، اللہ اس شہر کو اپنی حفاظت میں رکھے، میں اس وقت ہندوستان کے شہر لہانور میں ہوں جو مضافات ملتان میں ہے اور ناجنسوں میں پھنسا ہوا ہوں، والحمد للہ علی السراء والضراء۔''

یہ عالمانہ اور با محاورہ ترجمہ ہے جو گوارا ہے، مگر اس کے عنوان میں ایک غلطی ہے، لکھا ہے کہ: ''حضرت حبیب بن سلیم الراعی، رحمۃ اللہ علیہ'' بظاہر یہ غلطی حضرت مترجم کی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ متن میں ''ابوحلیم حبیب بن سلیم راعی'' موجود ہے مگر افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ''تحقیق، تخریج وتدوین جدید'' والے دو دانشوروں نے بھی یہ غلطی اسی طرح رہنے دی ہے!! مگر یہاں ایک سہو کی نشاندہی بھی ضروری تھی کہ اگر حضرت حبیب الراعی واقعی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مصاحب تھے اور ان سے حدیث بھی روایت کی ہے تو پھر وہ تو تابعی ہوئے؟ اس لئے وہ تبع تابعین میں شمار نہیں ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب!

ہماری زیر مطالعہ ان دو عبارات میں سے دوسری چھ سطری عبارت کا ترجمہ مولانا ابوالحسنات، رحمۃ اللہ علیہ، یوں فرماتے ہیں (۲۳):

''اور میں علی بن عثمان جلابی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے گیارہ سال آفت نکاح

Marfat.com

سے محفوظ رکھا، پھر اس کی تقدیر سے میں فساد میں مبتلا ہوا تو میرا ظاہر باطن
عیالداری کے باعث ایسے حال میں گرفتار ہوا جو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا،
اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دکھایا اور ایک سال میں اس میں مستغرق رہا، حتی کہ
قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے کمالِ فضل سے
پاکدامنی کو مجھ بیچارے کی پیشوائی کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی
عطا فرمائی، الحمد للّٰہ علی جزیل عطائه "

یہ ترجمہ رواں تو ہے مگر الفاظ کی کمی بیشی کھٹکتی ہے، البتہ "تحقیق، تخریج و تدوین جدید" والوں نے اس پر جو ظلم کا بم گرایا ہے وہ قابلِ اصلاح سہی مگر نا قابل برداشت ہے، عبارت یوں ہو گئی ہے "میں اس میں مستغرق رہا حتی کہ میرا دین تباہ ہو جائے؟!" دونوں دانشوروں نے بے خیالی میں "قریب تھا کہ" کو تناول فرمالیا ہے!!

ہم نے اس مختصر سے مقالہ کے لئے حضرت داتا صاحبؒ کی کتاب کشف المحجوب کے صرف دو پیرے لئے ہیں تاکہ بات سمجھنے سمجھانے میں آسانی رہے، لیکن ان دو چھوٹے چھوٹے پیروں کے متن (Text) میں اور پھر ان کے ترجموں میں "اہل قلم" سے کیا کیا لغزشیں ہوئیں بلکہ بعض نے تو قلابازیاں بھی کھائیں، اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ گزشتہ ایک ہزار سال کے طویل عرصہ کے دوران پوری کتاب ۔ جو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ کو نقل کرنے، اس کے خطی نسخے تیار کرنے اور پھر اس کی چھپائی یا ترجمہ کرنے میں اس پر کیا کیا "مظالم" توڑے گئے ہیں!؟ اور اب ان مظالم کا تدارک کرنے کے لئے متن کی اصلاح، تصحیح یا تحقیق (یا ایڈٹ کرنے) کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں گے اور پھر اس تصحیح شدہ متن کا صحیح صحیح ترجمہ کرتے وقت کتنی احتیاط اور محنت کرنا پڑے گی!؟

موجودہ ترجموں کی صحت اور معیار کا اندازہ تو صرف اس آخری پیرے میں مترجمین

Marfat.com

کے ''گھپلوں'' پرغور کرنے سے ہی ہو سکتا ہے، مثلاً ایک مترجم جناب مفتی نعیمی صاحب تو (کئی ایک دوسرے مترجمین کی طرح) اس عبارت یا پیرے کو سرے سے گول کر کے ہی سرخ رو ہو جاتے ہیں، ہمارے پنجابی مترجم گیارہ سال کو پندرہ سال بنا رہے ہیں (یہ اصل غلطی تو یقیناً بعض طبعات کے متن میں بھی ہے اور شاید پنجابی مترجم نے کوئی ایسا ایڈیشن ہی ''منتخب'' فرمایا ہوگا؟!) جبکہ قادری صاحب اور شبلی صاحب کے ترجموں سے یہ مدت ''گیارہ سال'' ہی ظاہر ہوتی ہے نیز حضرت شبلی نے تو ایک ولی کامل کو ایک لڑکی کی ''زلف گرہ گیر کا اسیر'' بنا دیا ہے، والعیاذ باللہ! ہمارے ان مترجمین کے پاس غلطی سے بچنے کے لئے ''کشف'' کی پانچ چھ سطری عبارت ہی میں تین قرینے موجود تھے، اگر وہ قلم کا گھوڑا دوڑانے سے پہلے اس عبارت کے سیاق وسباق کو سامنے رکھتے ہوئے فہم وفراست اور سوچ سمجھ سے کام لے لیتے تو یہ مکرہ صورت حال سامنے نہ آتی ان تین قرینوں میں سے پہلا تو لفظی ہے اور اسی قرینہ سے چشم پوشی ہی لغزش کا سبب ہے، پوری کتاب میں داتا صاحب نے جگہ جگہ ''از پس'' اور ''از پس آنکہ'' کی ترکیب استعمال کی ہے اور ہر جگہ اس کے معنی بنتے ہیں ''اس کے بعد کہ'' اسی باب تزویج وتجرید'' میں ہی یہ ترکیب یوں استعمال ہوئی ہے: ''فوائد وزوائدِ بہترین از پس اسلام زنی مومنہ موافقہ باشد'' یعنی اسلام کی نعمت کے بعد بہترین اضافی فوائد میں سے ایک مومن اور ہم خیال بیوی ہے! مگر اکثر مترجمین نے چونکہ ''از پس آنکہ'' کی ترکیب کو فالتو سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا ہے اس لئے ایسے قدم پھسلے کہ پھسلتے ہی چلے گئے اگر وہ ''اس کے بعد کہ'' کو پیش نظر رکھتے تو سوچتے کہ کس کے بعد گیارہ سال؟ پیدائش کے گیارہ سال بعد؟ تو نابالغ بچوں اور لڑکوں کو تو خدا شادی کی آفت سے محفوظ ہی رکھتا ہے، اس میں داتا صاحب کی کیا خصوصیت ہے؟ ظاہر ہے اس گیارہ سالہ مدت کا نقطہ آغاز پیدائش نہیں ہو سکتی بلکہ کچھ اور واقعہ ہوگا جو یہاں پہلی شادی کا خاتمہ ہی ہے، پھر یہ قرینہ بھی تھا کہ معاذ اللہ ایک گیارہ سالہ بچہ جو مادر زاد ولی بھی تھا وہ اس نوعمری میں کسی ان دیکھی حسینہ کے خیال

میں کھو کر ایک پورا سال اس میں مستغرق کیسے رہ سکتا ہے؟ مگر جو پھسلن سے نہ بچ سکے اس کے ساتھ کیا کیا نہیں ہو سکتا!؟

ہمارے ان مترجمین کا پاؤں (از پس آن کہ یعنی اس کے بعد کہ) کا مطلب نہ سمجھنے سے پھسلا ہے اس کا صحیح ادراک، میری دانست میں، صرف حکیم موسی امرت سری مرحوم و مغفور نے کیا ہے جو بالکل درست ہے کیونکہ ''از پسِ آن کہ'' حضرت داتا صاحب کا اسلوب اور محاورہ ہے جس کا مطلب ہے ''اس کے بعد کہ'' یعنی پہلی شادی کا بندھن (غالباً پہلی بیوی کی وفات سے؟) ختم ہونے کے بعد گیارہ سال تک خدا نے دوسری شادی کی آزمائش سے محفوظ رکھا تھا، پھر دوسری خاتون کی خوبی کا ذکر ہوا تو ان سے شادی کا خیال آیا اور ایک سال اسی خیال میں بیت گیا، ظاہر ہے یہ خیال حضرت کی یاد خدا میں کچھ کوتاہی کا سبب بنا ہو گا جسے آپ نے بجا طور پر اپنا دین تباہ ہونے کا سبب قرار دیا! چنانچہ حکیم صاحب نے ''از پس آن کہ'' کا صحیح ترجمہ کر کے ان مترجمین کے ''مقام لغزش'' کی نشاندہی کر دی ہے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے جن دو دانشوروں نے بزعمِ خویش ''تحقیق، تخریج و تدوین جدید'' کا دعوی کر کے فیصل آباد کی مدینہ فاؤنڈیشن کو اپنے نسخۂ کیمیا کا ''تحفہ'' دیا ہے وہ بھی اس مقام لغزش کا ادراک نہ کر سکے اور پھسل گئے حالانکہ اگر وہ حضرت حکیم صاحب کا صرف مقدمہ ہی پڑھ لینے کی زحمت اٹھا لیتے تو اس پھسلن سے بچ جاتے!

کشف المحجوب کے متن اور ترجمہ پر اہل دانش کے ایسے ہی مظالم نے ہمارے لئے اس سیمینار (۲۴) کے انعقاد کا جواز مہیا کیا ہے، ہم یہ امید کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ ہمارے فاضل مقالہ نگار اس سلسلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں گے اور اغلاط سے پاک متن کی تیاری اور صحیح و مستند ترجمہ کرنے کے متعلق بھی مفید اور کارآمد تجاویز پیش فرمائیں گے، ان تجاویز کی روشنی میں مسند ہجویری کو اپنا تعمیری لائحہ عمل مرتب کرنے میں بھی مدد ملے گی، ان شاء اللہ!، اس مضمون کو میں پنجاب یونیورسٹی کے عالم فاضل دانشور، علم دوست و ہنر پرور وائس چانسلر جناب

ڈاکٹر مجاہد کامران کے تشکر پر ختم کروں گا مگر اس امید کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ بھی کہ ان کی سرپرستی میں مسند ہجویری پنجاب یونیورسٹی، مرشدِ لاہور کے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کے متن اور ترجمہ کو شایان شان انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکے گی! باذن اللہ!

Marfat.com

حوالے اور حواشی

۱۔ عابدی ایڈیشن ص ۱۳۸۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ خوشی ایڈیشن ص ۱۱۹۔

۴۔ ژوکوفسکی ایڈیشن ص ۱۱۰۔

۵۔ مولوی شفیع ایڈیشن ص ۹۶۔

۶۔ علی قویم ایڈیشن ص ۸۲۔

۷۔ عابدی ایڈیشن ص ۵۳۴۔

۸۔ خوشی ایڈیشن ص ۵۰۷۔

۹۔ ژوکوفسکی ایڈیشن ص ۴۷۴۔

۱۰۔ مولوی شفیع ایڈیشن ص ۴۱۲۔

۱۱۔ علی قویم ایڈیشن ص ۳۱۸۔

۱۲۔ عربی ترجمہ از ڈاکٹر اسعاد ص ۳۰۰۔

۱۳۔ ایضاً ص ۶۰۶۔

۱۴۔ نکلسن کا انگریزی ترجمہ ص ۹۱۔

۱۵۔ ایضاً ص ۳۶۴۔

۱۶۔ پنجابی ترجمہ از صابر ص ۲۰۸۔

۱۷۔ ایضاً ص ۶۸۶۔

Marfat.com

۱۸۔ اردو ترجمہ کشف از ڈاکٹر شبلی ص ۱۱۰۔

۱۹۔ ایضاً ص ۳۹۲۔

۲۰۔ اردو ترجمہ کشف از مولانا نعیمی ص ۱۳۷۔

۲۱۔ ایضاً ص ۴۷۵۔

۲۲۔ اردو ترجمہ کشف از مولانا ابوالحسنات ص ۲۱۱۔

۲۳۔ ایضاً ص ۵۷۱۔

❁ ❁ ❁ ❁

Marfat.com

انگریزی ترجمہ ''کشف المحجوب'' (نکلسن) پر ایک نظر

ڈاکٹر تحسین فراقی*

سید علی بن عثمان جُلاّبی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش عرفان و تصوف کی وہ ممتاز شخصیت ہیں جو عالمِ اسلام ہی میں نہیں اہلِ مغرب میں بھی معروف ہیں۔ عالم اسلام کے اکابرین عطّار، جامی، بہاء الدین نقشبند، صاحب خزینۃ الاصفیا (غلام سرور قادری) اور صاحبِ نُزھۃُ الخواطر (سید عبدالحیٔ حسنی) سے لے کر اقبال، عبدالماجد دریابادی اور متعدد دیگر صاحبِ نظر دانش مندوں تک نے ان کے تقویٰ، تدیّن اور وسعتِ علم کا اعتراف کیا ہے۔ عطّار اپنے مشہورِ عالم ''تذکرۃ الاولیا'' میں ''کشف المحجوب'' کے حوالے دیتے ہیں تو صاحبِ ''نفحات الانس'' انھیں ''اعاظم مشائخ صوفیہ'' میں شمار کرتے ہیں۔ بہاء الدین نقشبند ''فصل الخطاب'' میں انھیں اس طرح یاد کرتے ہیں:

''الشیخ العالم المعارف الزاھد المجاھد شیخ الشیوخ، قدوۃ اھل الطریقۃ، کاشف اسرار الحقیقۃ''

غلام سرور قادری ان کی ذات میں ''علوم ظاہر و باطن'' کی جامعیت دیکھتے ہیں اور سید عبدالحیٔ حسنی انھیں ''الشیخ الامام العالم الفقیہ الزاھد'' اور ''کان من الرجال المعروفین بالعلم والمعرفۃ'' گردانتے ہیں اور ہاں اقبال کے عقیدت و محبت سے لبریز ان اشعار کو کیسے بھُولا جاسکتا ہے جن میں انھوں نے شیخ کو ''مخدومِ امم''، ''پاسبان عزّتِ امّ الکتاب'' اور ''قاصدِ طیّارِ عشق'' قرار دیتے ہوئے انھیں یوں خراجِ تحسین پیش کیا: عہدِ فاروق از جمالش تازہ گشت

اِس ''قاصد طیارِ عشق'' نے اپنے عہد میں پھیلی وسیع دنیائے اسلام میں سیر و سفر کرکے اور اکابر

* پروفیسر، اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

صوفیہ سے فیض اندوز ہونے کے بعد اپنے مرشد کے ایما پر لاہور کو مرکز رشد و ہدایت کے طور پر اپنایا۔ یہیں کشف المحجوب جیسی تصوف و عرفان کی معرکہ آرا کتاب تصنیف و تکمیل کے مراحل سے گزری۔ حضرت کی اس تصنیفِ لطیف کے علاوہ کم از کم نو اور تصانیف بھی تھیں جو اَب ناپید ہیں۔

کشف المحجوب مسلم تصوف و عرفان کا عطر ہے۔ شیخ ہجویری کی یہ کتاب ان کی وسعت علم، منفرد زاویۂ نگاہ اور ان کے اعلیٰ مقامِ عرفان پر گواہ ہے۔ اس کا مقصود ''اثباتِ اصولِ طریقت'' تھا۔ اپنی تصنیف کے عہد سے لے کر آج تک یہ مبارک کتاب نہایت کثرت سے پڑھی گئی اور اس کے بعض بڑی زبانوں میں تراجم ہو چکے۔ شیخ نے اس کتاب میں اپنے شاگرد ابو سعید ہجویری کے متعدد سوالات کو تفصیلی جوابات سے نوازا۔ تصوف کیا ہے، اس کے مقامات کی کیفیت کیا ہے، تصوف کے مذاہب کیا ہیں، ذاتِ حق سے محبت کی نوعیت، حجاب عقول کے اسباب، نفس اور اس کی حقیقت، ملامت اور اس کی معنویت، توحید کے متعلق مشائخ کے رموز اور اصطلاحاتِ تصوف وغیرہ پر حضرت نے سیر حاصل بحث کی ہے اور گہرے صوفیانہ نکات بیان کیے ہیں۔

اس باب میں شیخ نے رسالہ قشیریہ، طبقات الصوفیہ، کتاب اللمع اور تصانیف حسین بن منصور حلاّج سے بھی استفادہ فرمایا۔ علاوہ ازیں پندرہ سولہ دیگر اہم کتب عرفان اور مشائخ کے کم و بیش تین سو اقوال سے استناد کیا ہے۔ دنیائے عرفان کی خوش بختی ہے کہ بعض طالبانِ حقایق کے سوالات کے جواب میں ''گلشن راز (محمود شبستری) اور کشف المحجوب جیسی عظیم کتابیں وجود میں آئیں۔ کشف المحجوب میں بعض مقامات پر نازک، گہری عارفانہ باتیں اور صوفیانہ نکتے عمیق تہ داری کے ساتھ اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ شیخ کے، علاوہ اور باتوں کے، منطق پر غیر معمولی عبور کا احساس بھی ہوتا ہے۔ عارفانہ رموز کے بیان میں بعض جگہ اغلاق کا احساس کیے بغیر نہیں رہا جاتا۔ ایسی کتاب کو جو بیک وقت صاف و روشن اسلوب بیان کے دوش بدوش کئی گہرے رمزی نکتوں کی امین بھی ہو، کسی زبان میں صحت کے ساتھ ترجمہ کرنا آسان نہیں۔

Marfat.com

کے ایک قلمی نسخے سے بھی استفادہ کیا جن میں اول الذکر دونو نسخے بقول نکلسن لاہوری ایڈیشن سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ لاہوری ایڈیشن سے نکلسن کو یہ شکایت رہی کہ اس میں کئی غلطیاں ہیں خصوصاً اسماء کے ہجوں کے باب میں اور یہ بات بہر حال غلط نہیں۔

اس سے قبل کہ نکلسن کے انگریزی ترجمے کا اصل فارسی متن سے تقابل کر کے اس کے حسن وقبح کا تعین کیا جائے، بے محل نہ ہوگا اگر انگریزی ترجمے کے دیباچہ طبع اول ودوم کے خاص نکات کا اجمالی ذکر کر دیا جائے تا کہ کشف المحجوب کے بارے میں مترجم کے موقف کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

نکلسن نے کتاب کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں شیخ ہجویری کی کتاب کو نہایت قدیم اور شاندار قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف تصوف کے ان طالب علموں کے لیے جو تصوف کا براہِ راست علم رکھتے ہیں مفید ثابت ہوگی بلکہ ان بہت سے قارئین کے لیے بھی لائقِ توجہ ہوگی جو تصوف وعرفان کی عمومی تاریخ اور عیسائیت، بدھ مت اور اسلام کے مابین اس کے متعدد مماثل مظاہر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک مقام پر نکلسن کشف المحجوب سے ذرا پہلے ظہور میں آنے والی مشہور کتاب ''رسالۃ القشیریہ'' کا کشف المحجوب سے بڑا عمدہ تقابل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیخ ہجویری کی کتاب القشیری کی کتاب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ قشیری کی کتاب میں اقوال، حکایات، تعریفات سب کچھ ہیں لیکن اس کا اسلوبِ بیان رسمی اور مدرّسانہ ہے۔ اس کے برعکس کشف المحجوب کی متکلمانہ اصطلاحات کے پیچھے فلسفیانہ تفکر کا خالصتہً ایرانی ذائقہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی کم وبیش ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:

> ''دونوں کے طرزِ تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویریؒ ایک محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات،

مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں اور مباحثِ سلوک پر ردوقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ اس لیے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے''[1]۔

نکلسن نے دیباچے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ ہجویری اپنے مرشد ابوالفضل الختلی کی پیروی میں شیخ جنید بغدادی کے اس نقطۂ نظر کے مؤید اور پیرو ہیں[2] جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتا ہے۔ شیخ ہجویری اپنے قارئین کو اکثر زور دے کر متنبہ کرتے ہیں کہ کوئی صوفی بھی خواہ وہ تقدس وتقشّف کے اعلیٰ ترین مقام تک جا پہنچا ہو، تکالیفِ شریعت کی بجا آوری سے مستثنیٰ نہیں۔ ایک مقام پر شیخ، حسین بن منصور حلاّج کے بارے میں پھیلائی گئی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ وہ جادوگر تھا۔ ان کے خیال میں حلاّج کے اقوال محض اوپری سطح پر سَر یانی ہیں تاہم وہ اس کے خیالات پر نقد کرتے ہوئے انھیں ''نامحکم'' قرار دیتے ہیں۔ دیباچے میں ایک جگہ نکلسن مشہور مستشرق گولڈزیہر کے اس موقف کو نقل کرتے ہیں جس کی رُو سے تصوف کو اسلام کے اندر کسی منضبط اور مرتّب دبستان کا نام نہیں دیا جاسکتا اور اس کے عقاید کو کسی باقاعدہ نظام کی صورت میں ترتیب دینا ممکن نہیں۔ نکلسن نے گولڈزیہر کے موقف سے محض جزوی اتفاق کیا ہے اور بجاطور پر لکھا ہے کہ تصوف کے مختلف سلاسل کے باہمی اختلافات کا اعتراف کرنے کے بعد بھی صوفیانہ عقاید کا ایک بڑا اور قابل لحاظ حصہ ایسا ہے جہاں مختلف دبستانوں سے متعلق ہونے کے باوجود صوفیہ کے مابین اتفاق پایا جاتا ہے اور یہ نتیجہ ہے مختلف اذہان سے ظہور کرنے والے افکار وخیالات کے بتدریج ارتکاز واجتماع کا۔

نکلسن نے دیباچے میں ایک اور نکتے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں اس ایرانی صوفی (شیخ ہجویری) کی منطق یورپی قائین کی دانست میں بعض اوقات تعجب خیز حد تک

Marfat.com

غیر منطقی نظر آتی ہے۔ میرے نزدیک مختلف تہذیبی پس منظر اور تمدنی اوضاع کے حامل گروہوں اور قوموں میں ایسے محسوسات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے اور اس پر کسی تعجب کی ضرورت نہیں۔

نکلسن نے اپنے دیباچے میں کتاب کے مشمولات کے ضمن میں کشف المحجوب کے چودھویں باب کو اہم ترین قرار دیا ہے۔ یہ باب کتاب میں "باب فی فرق فرقہم ومذاھبھم وآیاتھم ومقاماتھم وحکایاتھم" کے زیرِ عنوان لکھا گیا ہے۔ اس باب میں شیخ نے تصوف کے بارہ دبستانوں کا ذکر کیا ہے۔ نکلسن کے نزدیک ان دبستانوں میں صرف ایک فرقہ ملامتیہ ایسا ہے جس کا ذکر کشف المحجوب سے پہلے کی کتب میں بھی ملتا ہے۔ نکلسن قیاس کرتے ہیں کہ کشف کے بعد ظہور میں آنے والی کتاب مثلاً تذکرۃ الاولیا وغیرہ میں تصوف کے دبستانوں کا اجمالی ذکر دراصل شیخ ہجویری ہی کا فیض یافتہ ہے۔ یہیں نکلسن ایک اور امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں شیخ ہجویری ہر دبستان کے بانی سے جو خصوصی اصول وعقاید منسوب کرتے ہیں وہ دراصل خود شیخ کے اپنے عقاید ہیں۔ یوں انھوں نے اصل عقاید سے اپنے عقاید گڈمڈ کر دیے ہیں۔ اس دعوے میں حقیقت کس قدر ہے، اس کی تفصیل میں جانا میرے لیے ممکن نہیں۔ کشف المحجوب کا عمیق مطالعہ کرنے والے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تصوف کے متعدد دبستانوں کا کافی ووافی علم رکھنے والے ہی نکلسن کے اس موقف کی تائید یا تردید کر سکتے ہیں۔

نکلسن کے خیال میں (اور بجا طور پر) ترجمے کے لیے چنے جانے والے اساسی نسخۂ لاہور میں متعدد اغلاط ہیں لیکن ان کی رائے میں اکثر اغلاط کی تصحیح آسان ہے اور وہ انھوں نے اپنے ترجمے میں جہاں جہاں ضروری ہوا بقول خود کی بھی ہے۔ ان کے نزدیک اگرچہ متن میں شک آفریں مقامات بہت کم ہیں تاہم مترجم کو یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس میں بعض موارد ایسے ہیں جہاں مصنف کے استدلال اور ان کے موقف کی تفہیم کے لیے بے حد کاوش کرنی پڑتی ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ کشف المحجوب کا پیشِ نظر انگریزی ترجمہ بقول

Marfat.com

نکلسن تقریباً مکمل ہے:

''کوئی اہم چیز [اس ترجمے میں] حذف نہیں کی گئی اگرچہ جہاں موقع ملا میں نے بعض مطالب کو ملخص کرنے میں تامّل نہیں کیا'' [۳]

نکلسن کا دیباچۂ طبعِ دوم بہت مختصر ہے مگر اس کا ذیل کا اقتباس بہت کچھ کہنے سننے کا تقاضا کرتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اگرچہ ہجویری نہ تو گہرے صوفی تھے نہ باقاعدہ مفکّر، ان کی کتاب، تصوف کا قابلِ ستائش تعارف مہیا کرتی ہے''۔ (ص VII)

اگر تو نکلسن کی مراد یہ ہے کہ کشف المحجوب میں نو افلاطونی و نیم فلسفیانہ موشگافیاں نہیں تو درست وگرنہ یہ کہنا کہ وہ گہرے صوفی نہ تھے، سوائے مغالطہ آفرینی کے کیا ہے۔ شاید یہ التباس اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ شیخ کا اسلوب زیادہ تر سادہ اور سلیس ہے اور سادگی اور سلاست میں عمق اور تہ داری دیکھنے کے لیے گہرے اور مسلسل تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ نکلسن کا ترجمہ کیسا ہے۔ اس ضمن میں میں نے مطبع پنجابی کے زیرِ اہتمام میاں الٰہی بخش تاجر کتب کے شائع کردہ نسخۂ کشف المحجوب کو پیشِ نظر رکھا ہے جسے نکلسن نے اساسی نسخہ قرار دیا تھا۔ یہ نسخہ خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ حکیم محمد موسیٰ امرتسری میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کا تقابل نکلسن کے ترجمہ طبعِ دوم سے کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ہم اس تقابل کا آغاز ایک محیر العقول کہانی سے کرتے ہیں جس کے راوی ابراہیم خوّاص ہیں۔ شیخ ہجویری نے یہ حکایت ''فی التزویج والتجرید'' نامی باب میں درج کی ہے۔ ابراہیم خوّاص نے بیان کیا ہے:

''بدھی اندر آدم [آمدم] بقصدِ زیارتِ بزرگے کہ آنجا بود۔ چون بہ خانہ وے رفتم خانہ دیدم پاکیزہ چنانکہ معبد اولیا بود و داندر زاویہ بآن خانہ دد

Marfat.com

محراب ساختہ۔ اندر یک محراب آن پیر نشستہ واندر محرابِ دیگر عجوزۂ پاکیزۂ روشن نشستہ۔ ہر دو ضعیف گشتہ از عبادتِ بسیار۔ بآمدنِ من شادی نمودند و سہ روز آنجا بودم۔ چون باز خواستم گشت پرسیدم ازاں پیر کہ این عفیفہ ترا کہ باشد؟ گفت از یک جانب دخترِ عم واز دیگر جانب عیالِ من۔ گفتم اندر دو سہ روز سخت بیگانہ وار دیدم تا اندر صحبت گفت: آری شصت و پنج سال است تا چنانست۔ گفتم علتِ این مرا بگوی۔ گفت بدانکہ ما در کودکی عاشقِ یکدگر بودیم و پدرِ وے او را بمن نمی داد کہ دوستیِ ما مر یکدیگر را معلومِ وے گشتہ بود۔ مدتی رنجِ آن بکشیدیم تا پدرِ وے وفات یافت۔ پدر من او را بمن داد۔ چو آن شب ابتدا بیک دگر رسیدیم وے مرا گفت: دانی کہ خدائے تعالیٰ با ما چہ نعمت کرم کردہ است کہ ما را بیک دگر رسانید و دلہائے ما را از بندِ آفتہائے ناخوب فارغ کرد۔ گفتم بلی۔ گفت: پس ما امشب خود را از ہوائے نفس باز داریم و مرادِ خود زیر پائے آریم و مر خدائے را عبادت کنیم شکرِ ایں نعمت را۔ گفتم صواب آید۔ دیگر شب ہمان گفت۔ سدیگر شب من گفتم کنون دو شب از برائے تو شکر بگزار دیم امشب از برائے من نیز عبادت کنیم۔ کنون شصت و پنج سالست کہ ما یکدگر را ندیدیم بحکمِ ملامت و ہم اندر شکرِ نعمت می گزاریم'' (ص ۲۲۷،۲۲۸)

قیاس کیجیے کہ بھرپور جوانی میں ازدواج کرنے کے باوجود پینسٹھ برس تک ایک دوسرے کے بجائے صرف ذاتِ حق کی قربت اختیار کیے رہنا معجزے سے کم نہیں۔ یہ توفیق صرف ذاتِ حق کی عطا کردہ ہے۔ نکلسن اس حکایت کا ترجمہ بہ الفاظ ذیل کرتے ہیں:

" I went to a certain village to visit a reverend man

Marfat.com

who lived there. When I entered his house I saw that it was clean, like a saint's place of worship. In its two corners two niches (mihrab) had been made; the old man was seated in one of them, and in the other niche an old woman was sitting clean and bright: both had become weak through much devotion. They showed great joy at my coming, and I stayed with them for three days. When I was about to depart I asked the oldman, 'what relation is this chaste woman to you'? He answered, 'She is my cousin and my wife.' I said, During these three days your intercourse with one another has been very like that of strangers.' 'Yes, said he, it has been so for five and sixty years.' I asked him the cause of this. He replied: when we were young, we fell in love, but her father would not give her to me, for he had discovered our fondness for eachother. I bore this sorrow for a long while, but on her father's death my father, who was her uncle, gave me her hand. On the wedding night she said to me: "You know what happiness God has bestowed upon us in bringing us together and taking all fear from our hearts. Let us therefore tonight refrain from sensual passion and trample on our desires and worship God in thanksgiving for this happiness." I said, "It is well." Next night she bade me do the same. On the third night I said, "Now we have given thanks for two nights for your sake; tonight let us worship God for

Marfat.com

my sake." Five and sixty years have passed since then, and we have never touched one another, but spend all our lives in giving thanks for our happiness." (Kashf Al-Ma.hj¯ub, p:362)

مندرجہ بالا اقتباس کا اس کے اصل فارسی متن سے تقابل کیا جائے تو ذیل کے نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ نکلسن نے متن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا ہے۔

۲۔ ترجمہ اصل متن سے غیر معمولی مطابقت رکھتا ہے۔

۳۔ اسلوب ویسا ہی سادہ رکھا گیا ہے جیسا فارسی متن میں ہے۔ ترجمہ رواں دواں اور برجستہ ہے۔ کہیں تکلّف کا احساس نہیں ہوتا۔

۴۔ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نکلسن فارسی زبان کا بہت عمدہ فہم رکھتے ہیں۔

کشف المحجوب میں جیسا کہ معلوم ہے شیخ ہجویری نے ایک باب مذاہب و فِرَق پر بھی باندھا ہے اور اس ضمن میں بعض اصطلاحاتِ تصوف بھی زیر بحث آئی ہیں جنھیں شیخ نے بڑی خوبی سے آئینہ کیا ہے مثلاً طیفوریہ کے ضمن میں سکر وصحو کی اصطلاحات کا ذکر آیا ہے۔ چونکہ شیخ کا معنوی تعلق سلسلۂ جنیدیہ سے ہے لہٰذا وہ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ذیل کا اقتباس حضرت کے موقف کی بخوبی وضاحت کرتا ہے جہاں وہ فنا اور بقا کی اصطلاحات کی مدد سے محو وسکر کی توضیح کرتے ہیں اور دیکھیے کس خوبی اور متانت سے کرتے ہیں:

"و دیدارِ درست بر دو گونہ باشدیکی آنکه ناظر اندر شئی بچشم بقای وی نگرد و دیگر آنکه بچشم فنای آن نگرد، اگر بچشم بقاے آن نگرد مر کُلّ را اندر بقاے خود ناقص باید [یابد] که اشیا بخود باقی نه [نی] بیند [اند] اندر حال

بقائے شان و اگر بچشم فنائے آن نگرد کل موجودات را جنت [جنبِ] بقائے حق فانی یابد و ایں هر دو صفت مراُورا از موجودات اعراض فرماید و انسان بُود که پیغامبر صلعم گفت اندر حالِ دعا که اللهم ارنا الاشیاء کما هی زانچه هر که دید آسود [و] این معنیِ قولِ خدائے است عزوجل که گفت فاعتبروا یا اولی الابصار تانبیند اعتبار نگیرد پس ایں جمله جُز اندر احوالِ صحو درست نیاید و مراهلِ سکررا ازین معنی هیچ آگاهی نیست چنانکه موسیٰؑ اندر حالِ سکربُود طاقتِ اظهاریک تجلی نداشت و از هوش بشد و رسول صلعم اندر حالِ صحوبود از مکه تابه قاب قوسین در عینِ تجلی بود و هرزمان هشیار ترو بیدار تربود، شعر:

شَرِبتُ الرَّاحَ کَاساً بعد کاسٍ. وَمَا نَفِدَ الشرابُ وَمَا رَوِیتُ.

و شیخ من گفتی و وی جنیّدی مذهب بود که سکر بازی گاهِ کودکان است و صحو فنا گاهِ مردان" (ص ۱۰۹)

اوپر کا اقتباس کشف المحجوب کے مشکل مباحث میں سے ہے۔ شیخ ہجویری کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ موجودات کو چشم بقاو چشم فنا دونو سے دیکھا جا سکتا ہے اگر ناظر بقا کے زاویۂ نگاہ سے دیکھے تو سب اشیا کو اپنی بقا میں ناقص پائے گا کیونکہ اشیا بذاتِ خود قائم نہیں اور اگر فنا کے زاویۂ نگاہ سے دیکھے گا تو بقائے ذاتِ حق کے مقابلے میں سب موجودات کو فانی دیکھے گا اور یہ دونو صفتیں موجودات سے ناظر کا منہ پھیر دیتی ہیں۔ آگے چل کر شیخ سکر وصحو کی اصطلاحات کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کے مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کیسے "رب اَرِنی"

Marfat.com

کی آرزو کی مگر تجلیات کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ ان کے مقابلے میں حضور اکرمؐ کس طرح قاب قوسین او ادنیٰ کی تفسیر بنے اور تجلیاتِ الٰہیہ کو بہ حالتِ صحو و ہوش مشاہدہ فرماتے رہے گویا کیفیت اس شعر کے مصداق تھی کہ متواتر پیالے پر پیالہ نوش کیا مگر نہ شرابِ معرفت ختم ہوئی نہ پینے والے کو سیرابی میسر آ سکی۔ شیخ ہجویری کا سکر و صحو کا یہ مبحث ہمیں اقبال کے اس موقف کی یاد دلائے بغیر نہیں رہ سکتا جو بڑے فکر افروز انداز میں ان کے چوتھے خطبے "The Human Ego-His Freedom & Immortality" میں بیان ہوا ہے اور جہاں انھوں نے شیخ ہجویری ہی کی طرح واقعۂ معراج میں حضور اکرمؐ کی کامل حالتِ صحو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فارسی کا ایک مشہور شعر درج کیا ہے جو جمالی دہلوی سے منسوب ہے۔ اقبال کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چونکہ حضور اکرمؐ اپنے عرفانِ ذات کے کامل ترین مقام پر فائز تھے اور کامل تمکین ذات (Self-possession) کے حامل تھے اس لیے مَا زاغَ البصَرُ وما طغیٰ کے قرآنی الفاظ ان کی شان میں آئے۔ اقبال نے جس کیفیت کو کامل تمکین ذات (Self-possession) کہا ہے یہی حالتِ صحو ہے جس کا صاحبِ کشف المحجوب ذکر فرما رہے ہیں۔ اقبال کے نزدیک یہی کامل انسانیت کا مثالیہ ہے:

"This is the ideal of perfect manhood in Islam. Nowhere has it found a better literary expression than in a Persian verse which speaks of the Holy Prophet's experience of Divine illumiration:

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی!"

نکلسن نے شیخ ہجویری کے مندرجہ بالا اقتباس کا ترجمہ کرتے ہوئے تصوف کی دو اصطلاحوں بقا اور فنا کے لیے بالترتیب "Subsistence" اور Annihilation کے

Marfat.com

متبادلات استعمال کیے ہیں جو میرے نزدیک نہایت مناسب ہیں۔ فنا و بقا کے لیے یہی متبادل نکلسن سے لے کر عہدِ موجود کے ولیم چٹک تک نے استعمال کیے ہیں۔ شارٹر آکسفرڈ انگلش ڈکشنری میں "Subsistence" کے مفہوم میں لکھا گیا ہے:

"substantial, real or idependent existence"

اسی طرح نکلسن سکر اور صحو کے لیے Intoxication اور Sobriety کے متبادلات برتتے ہیں اور یہ دونوں بھی آج تک انگریزی کے صوفی متون میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اسی تسلسل میں انھوں نے حضرتِ موسیٰ کے لیے "intoxicated" (بہ حالتِ سکر) اور حضور اکرمؐ کے لیے Sober (بہ حالتِ صحو) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ البتہ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ عربی شعر شَرِبتُ الراح کأساً ---الخ، حذف کرنے کی کیا وجہ تھی حال آنکہ جمالی دہلوی سے منسوب مندرجہ بالا کمال درجے کے فارسی شعر کی طرح یہ عربی شعر بھی اپنے اندر معانی کی رفیع و ارفع سلسلہ وار سطحیں رکھتا ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا فارسی اقتباس کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ نکلسن نے یہ مطالب کس سہولت سے ادا کیے ہیں:

"Seeing is of two kinds: he who looks at anything sees it either with the eye of subsistence (baq¯a) or with the eye of annihilation (fan¯a). If with the eye of subsistence, he perceives that the whole universe is imperfect in comparison with his own subsistence, for he does not regard phenomena as self-subsistent; and if he looks with the eye of ȧnnihilation, he perceives that all created things are non-existent beside the subsistence of God. In either case he turns away from created things. On this account the Apostle said in his prayer: "O God, show us things as they are", because

Marfat.com

whoever thus sees them finds rest. Now such vision cannot be properly attained except in the state of sobriety, and the intoxicated have no knowledge thereof. For example Moses was intoxicated; he could not endure the manifestation of one epiphany, but fell in a swoon (Kor. vii, 139) but our Apostle was sober; he beheld the same glory continuously, with ever increasing conscionsness, all the way from Mecca, until he stood at the space of two bow-lengths from the Divine presence (Kor. iii, 9)"

"My Sheikh, who followed the doctrine of Junayd, used to say that intoxication is the playground of children, but the sobriety is the death-field of men." (PP.185, 186)

شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں جو متعدد باب باندھے ہیں ان میں آٹھواں کشف حج سے متعلق ہے اور اس کا عنوان ہے ''کشف الحجاب الثامن فی الحج'' ہے۔ اس میں منجملہ اور بہت اہم نکات کے انھوں نے حج کی غایتِ اصلی کو بھی بڑے عمدہ پیرائے میں نمایاں کیا ہے اور اس کا خلاصہ ہے ''ہجرت سوئے دوست''۔ اس ضمن میں شیخ نے حضرت جنیدؒ بغدادی کا ایک حاجی سے مکالمہ درج کیا ہے۔ مکالمے کا ایک ایک جملہ جو بہ صورتِ سوال جنیدؒ کے دہنِ مبارک سے نکلا ایجاز کی نادر مثال اور حج کی اصل غایت و معنویت کا مظہر ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت جنید کی رحلت (۲۹۷ھ) کے کم و بیش سو برس بعد پیدا ہونے والے معروف اسماعیلی شاعر ناصر خسرو (۳۹۷-۴۸۱ھ) نے حاجیان کے زیرِ عنوان جو دلچسپ قطعہ نظم کہا ہے وہ تقریباً حضرتِ جنید کے استفسارات کا منظوم روپ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں ناصر خسرو سائل ہیں اور

Marfat.com

جواب دینے والا اس کا ایک دوست ہے جو بعدِ حج تازہ وارد ہے۔ پہلے حضرت جنیدؒ کا حاجی سے مکالمہ بصورت نثر ملاحظہ فرمایئے:

"یکی نزدیکِ جنید آمد اورا گفت: از کجامی آئی؟ گفت بحج بودم. جنید گفت حج کردی؟ گفت بلی. گفت از ابتدا که از خانه برفتی و از وطن رحلت کردی از همه معاصی رحلت کردی؟ گفتانه، گفت پس رحلت نکردی. گفت چون از خانه برفتی و اندر هر منزلی که به شب مقام کردی مقامی از طریقِ حق اندراں مقام قطع کردی؟ گفتانه، گفت پس منازل نسپردی. گفت چون مُحرم شدی به میقات از صفاتِ بشریت جدا شدی چنانکه از جامه و عادات؟ [۵ف] گفتانه، گفت پس مُحرم نشدی. گفت چو به عرفات واقف شدی اندر کشف و مشاهده وقفت پدیدار آمد؟ گفتانه، گفت پس به عرفات نه ایستادی. گفت چون به مزدلفه شدی و مرادت حاصل شد، همه مراد هارا ترک کردی؟ گفتانه، گفت پس به منزدلفه نه شُدی. گفت چون طواف کردی خانه را سِرّرا اندر محلِ تنزیهه لطایفِ حضرتِ جمال حق دیدی؟ گفتانه، گفت پس طواف نکردی. گفت چون سعی کردی میانِ صفا و مروه درجۂ مروّه ادراک کردی؟ گفتانه، گفت هنوز سعی نکردی. گفت چون به مِنا آمدی منیتهائے تو از تو ساقط شد؟

Marfat.com

گفتانه، گفت هنوز به منا نرفتی. گفت چو به منحر گاه قربان کردی، خواستهائے نَفس را قربان کردی؟ گفتانه، گفت پس قربان نکردی. گفت چون سنگ انداختی هرچه باتو صحبت کردی [کرد] از معانی نفسانی همه بینداختی؟ گفتانه، گفت پس هنوز سنگ نینداختی و حج نکردی، باز گرد و بدین صفت حج کن تابه مقام ابراهیمؑ برسی." (ص ۲۰۲، ۲۰۳)[۶]

مندرجہ بالا اقتباس میں کتنے ہی نکات غور طلب ہیں۔ مثلاً یہ کہ حج فقط وطن سے رخصت ہونے کا نہیں تمام گناہوں سے رحلت کا نام ہے، عرفات میں وقوف کا اصل معنی کشف و مشاہدۂ حق میں وقوف ہے، خانہ کعبہ کے طواف کا اصل مطلب اللہ تعالیٰ کے لطائفِ جمال کا طواف ہے۔ قربان گاہ میں قربانی دراصل اپنی خواہشاتِ نفس کی قربانی ہے، کنکریاں مارنا دراصل نفسانی امور سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے۔ گویا عارفِ حق اور منکرِ خویش ہونے کے عبارت ہے۔ شیخِ ہجویری کی مندرجہ بالا عبارت کے صرف ایک حصے کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ اسی سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ترجمہ عمدہ اور معیاری ہے:

- - - "At every stage where you halted for the night did you traverse a station on the way to God? He (the pilgrim) said: "No" ... when you put on the pilgrim's garb at the proper place did you discard the attributes of humanity as you cast off your ordinary clothes? "No." Then you have not put on the pilgrim's garb. ... When you circumambulated the Temple did you behold the immaterial beauty of God in the abode of

purification? "No". Then you have not circumambulated the Temple ... when you reached the slaughter-place and offered sacrifice did you sacrifice the objects of sensual desires? "No" - - -" (P 328)

فارسی اقتباس کی منتخب سطروں کے انگریزی ترجمے کو دیکھ کر ہی بہ سہولت اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نکلسن نے بطور وافی ترجمے کا حق ادا کیا ہے ہاں البتہ کعبے کا ترجمہ Temple ضرور کھٹک پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ ''ٹیمپل'' "An edifice devoted to divine worship" یا "Any place regarded as occupied by the divine presence" کے معنی دیتا ہے جس میں عمومیت شامل ہے مگر اس کا ترجمہ اگر "Kaaba" ہی کیا جاتا تو مناسب تھا۔

نکلسن کے پیشِ نظر ترجمے کا بیشتر حصہ خاصا اطمینان بخش ہے۔ عربی اور فارسی سے فاضل مترجم کی آگاہی اور تصوف سے گہرے لگاؤ نے بھی اس ضمن میں اپنا مؤثر کردار ادا کیا ہے تاہم اس ترجمے میں بعض مقامات پر بہتری کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔ متن میں ایک مقام وہ آتا ہے جہاں شیخ ہجویری نے ابوحلیم جیب بن سلیم الراعی کی دو کرامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے فضائل بیان کیے ہیں۔ کتب تصوف میں حضرات صوفیہ کی ایسی کئی کرامات کثرت سے نقل ہوئی ہیں۔ ابوحلیم حبیب کا ذکر کشف المحجوب کے باب بعنوان ''فی ذکر ائمتھم من اتباع التابعین'' میں آیا ہے۔ یہیں نکلسن نے ترجمہ کرتے ہوئے ایک جگہ سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اس کی نشان دہی ابھی آگے چل کر ہوگی۔ سر دست شیخ کا ابوحلیم حبیب کے ضمن میں حیران کن مگر ایمان افروز بیان ملاحظہ ہو جس سے توحید پرستی، کامل اتباعِ رسولؐ اور توکل و قناعت کی غیر معمولی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ ابوحلیم بھیڑ بکریاں رکھتے تھے اور فرات کے کنارے عزلت کی زندگی گزارتے تھے۔ ایک بزرگ انھیں یہیں دیکھتے ہیں اور روایت کرتے ہیں:

Marfat.com

"یکی از مشائخ روایت کند که وقتی که من برو بر گذشتم وی را یافتم اندر نماز و گرگ گوسفندانِ وی رانگاه [می] داشت. گفتم این پیر راز یارتی کنم که علاماتِ بزرگی می بینم اندروی. زمانی بودم تا از نماز فارغ شد. بروی سلام گفتم. گفت ای پسربه چه کار آمدی. گفتم بزیارت. گفت خیرّک الله. گفتم: ایها الشیخ گرگ را بامیش موافق می بینم. گفت ازانچه راعیِ میش باحق موافق است. ایں گفت و کاسۂ چوبین اندر زیرسنگے داشت. دو چشمه ازان سنگ بکشادیکی شیرویکی عَسَل. گفتابخور. گفتم: ایها الشیخ ایں درجه به چه یافتی. گفت بمتابعتِ حضرتِ محمد رسول الله صلعم. گفت ای پسر قوم موسیٰ باآنکه مر اُورا مخالف بودند، سنگ ایشان را آب داد و موسیٰ نه بدرجۂ محمد مصطفےٰ صلعم بود. چون من حضرت محمد را صلعم (کذا) متابع باشم آخر سنگ مرا انگبین و شیر ندهد؟ و محمد صلعم بهتر از موسیٰ بود. گفتمش مراپندے ده. گفت لَاتجْعَل قَلْبَکَ صُندوقَ الحِرصِ وَ بَطْنَکَ وِعَاءَ الحرام: دل را محلِ آز مکن و شکم را موضعِ حرام مکن و هلاکِ خلق اندریں دو چیز است و نجات اندر حفظِ این دوچیز و شیخ مرا ؒ از ویؓ روایات بود اما اندر وقتِ من ضیقی بود پیش [بیش] ازیں

Marfat.com

ممکن نشد که کتبِ من بحضرتِ غزنین [8] حرّسَها الله مانده بود و من اندر دیار هند در بلدۂ لهارنپور [لهانور] که از مضافاتِ ملتان است، درمیان ناجنسان گرفتار شده بودم. والحمد لله علی السرآ والضراء" [9] (ص ۵۰، ۵۱)

مندرجہ بالا اقتباس کے آخر میں خط کشیدہ جملہ قابلِ غور ہے اور متقاضی ہے کہ اس پر بات کی جائے۔اوّل یہ کہ نسخۂ لاہور میں "در بلدۂ لہار نپور" (لہانور) والی عبارت میں لہانور سے مراد لاہور ہے کہ اس کے پرانے ناموں میں ایک یہ بھی تھا۔دوسری بات یہ ہے کہ ژوکوفسکی کے مرتبہ نسخے کے متن سے یہ عبارت جزواً غیر حاضر ہے البتہ حاشیہ نمبر ۳۵ میں درج ہے۔یہ عبارت کشف المحجوب کے تازہ ترین ایڈیشن مرتبہ و مدوّنہ دکتر محمود عابدی میں بھی موجود نہیں تاہم نسخۂ تاشقند اور کتابخانۂ گنج بخش کے نسخوں میں موجود ہے۔تیسری بات یہ کہ نسخۂ ژوکوفسکی (طبعِ لینن گراڈ) اور نسخہ محمود عابدی میں مذکورہ عبارت محض اس قدر ہے:

— "و من اندر دیارِ ھند اندر میانِ ناجنسان گرفتار مانده" (نسخۂ ژوکوفسکی ص ۱۱۰، امیر کبیر، تہران)

— "و من اندر دیارِ ھند اندر میانِ ناجنسان مانده" (نسخۂ محمود عابدی ص ۱۳۹، سروش، تہران)

واضح رہے کہ ژوکوفسکی اور محمود عابدی دونو کا اساسی متن ایک ہی ہے جو قلمی نسخے کی صورت میں وی آنا (آسٹریا) میں محفوظ ہے مگر چونکہ محمود عابدی کے پیشِ نظر بعض ایسے نسخے بھی تھے جو ژوکوفسکی کے پیشِ نظر نہ تھے۔لہٰذا ان کا متن ژوکوفسکی کے مرتبہ متن سے بعض جگہ متفاوت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا دو جملوں سے بھی ظاہر ہے۔نسخۂ لاہور میں موجود جملے "در بلدۂ لہار نپور (لہانور) - - - درمیان ناجنسان گرفتار شده بودم" نے نکلسن کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ خدانخواستہ شیخ ہجویری اپنے قیام لاہور کے دوران کسی مرحلے پر ناجنسوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔نکلسن نے مذکورہ جملے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

Marfat.com

"My books having been left at Ghazna – may God guard it – while I myself had become a captive among uncongenial folk ... in the district of Lahawur, which is a dependency of Multan. God be praised both in joy and sorrow." (P:91)

مندرجہ بالا اقتباس میں "taken captive" کے ساتھ چونکہ "among" کا حرفِ ربط لایا گیا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ مترجم کے کلیتہً لفظی ترجمے کے نتیجے میں التباس پیدا ہوا ہے وگرنہ اس کا مقصود یہی تھا کہ شیخ ہجویری لاہور میں ناجنسوں کی صحبت میں پھنس گئے تھے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ کشف المحجوب کے دیباچۂ طبع اول میں نکلسن کا مندرجہ ذیل جملہ ہماری تاویل اور خوش فہمی کا پردہ چاک کر دیتا ہے:

"His own statement, however, shows that he was taken there as a prisoner against his will." (P: x)

حاشا، شیخ کے ساتھ ایسا حادثہ کبھی پیش نہیں آیا! خود "گرفتار" کا لفظ بہت وسیع المعنی ہے جیسے کہا جائے کہ "میں مکروہاتِ دنیا میں گرفتار ہوں"۔ فارسی محاورے میں تو آج بھی جب کوئی ایرانی یہ کہنا چاہے کہ آج کل بہت مصروف ہوں، کاموں میں بہت پھنسا ہوا ہوں، تو کہے گا: "خیلی گرفتارم"۔ یا مثلاً "نویسندگان تمام روز گرفتار هستند" وغیرہ۔

اور آخر میں چند باتیں شیخ علی ہجویری کے اُس جواب کے ضمن میں جو اِس سوال کے نتیجے میں کشف کی ابتدا میں کی گئی تھیں: سائل ابو سعید الہجویری: "بیان کن مرا اندر تحقیق طریقتِ تصوف کیفیت مقامات ایشان و بیانِ مذاهب و مقالاتِ آن و اظهار کن مرا رموز و اشاراتِ ایشان ... و سببِ حجابِ عقول از ماهیت آن و نفرتِ نفس از حقیقت آن ..."

ابو سعید الہجویری کا سوال بڑا تفصیل طلب تھا اور کشف المحجوب اسی سوال کا نہایت موثر، تفصیلی، کیف آفریں، وجد آگیں اور دانش افروز جواب ہے۔ ابتداءً شیخ نے اس سوال کے

Marfat.com

جواب میں مختصر پیرایہ اختیار کیا ہے مگر ان کا یہ اجمال اپنے عہد کا سارا آشوب سمیٹے ہوئے ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ کم وبیش ساڑھے نو سو برس پہلے کا زمانہ ہمارے دورِ قیامت آثار سے آملا ہے۔ شیخ نے کس تاسّف سے کہا تھا کہ ہمارے عہد میں یہ علم (علم طریقت) متروک اور مٹ چکا ہے خصوصاً برِ عظیم میں سب خواہشاتِ نفسانی میں مستغرق اور رضائے الٰہی کے راستے سے روگرداں ہو چکے ہیں...ادنیٰ واعلیٰ سب کھوکھلے پن کو اپنا دستور حیات بنائے ہوئے ہیں۔ حجاب ان کے دل وجان پر مُستوَلی ہو چکا ہے۔ معاملہ تحقیق سے تقلید تک جا پہنچا ہے اور تحقیق نے ان کے عہد سے اپنا منہ چھپالیا ہے۔ عوام اسی پر قانع ہو کر کہتے ہیں کہ ہم حق کو جانتے پہچانتے ہیں۔ آج سچی روحانیت کبریتِ احمر کی طرح نایاب ہو چکی ہے۔ شیخ کو شکوہ ہے کہ نااہل ہاتھوں میں علم و معرفت کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس شاہی عقاب کا جب وہ ایک عجوزہ کے جھونپڑے پر آبیٹھتا ہے تو بڑی بے دردی سے اس کے پر نوچ لیے جاتے ہیں۔ ہمارے معاصروں کی کم نظری ملاحظہ ہو کہ یہ ہواوہوس کو شریعت کہتے ہیں۔ طلبِ جاہ ومقام کو عزت وعلم کا، ریاکاری کو خشیتِ الٰہی کا، دل میں کینہ پالنے کو حلم کا، مجادلے کو مناظرے کا اور لڑائی اور حماقت کو وقار کا، نفاق کو زہد کا، آرزو کو ارادت کا، ہذیان کو معرفت کا، نفسانی باتوں کو محبت کا، الحاد کو فقر کا اور ترکِ شریعت کو طریقت کا نام دیتے ہیں۔ سو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اربابِ معانی (یعنی معارفِ حق کے جاننے والے) اِس کم نظر ہجوم کے درمیان دیوار سے جا لگے ہیں اور وہ کم نظر اِن پر غالب آگئے ہیں۔ اہلِ حقائق و برہان اور تحقیقِ دقائق کے بادشاہ ابوبکر الواسطی کیا خوب کہا ہے:

''ہمیں زمانے نے کیسی ابتلا میں لا ڈالا ہے جہاں نہ اسلامی آداب ہیں نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ ہی خداوندانِ مروت کے احکام۔''

سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے عہدِ قیامت آشوب کا انسان ان تمام امراض کا شکار نہیں ہو چکا جس کی عبرت انگیز تفصیل حضرتِ شیخ نے صد ہا سال پہلے بیان کی تھی۔ اب اس آشوبِ عصر کو

Marfat.com

خلاصۂ شیخ کی اپنی زبان میں ملاحظہ کیجیے اور پھر اس کا نکلسن کے قلم سے انگریزی ترجمہ:

”ولا محاله چون بازِ مَلِکِ جمعِ دیوان بر دیوار سرائے پیره زنی بنشیند پر و بالش برند و خداوند عزوجل مارا اندر زمانۂ پدیدار آورده است که اهل آن هوا را شریعت نام کرده اند و طلب جاه و ریاست و تکبّر را عزّوعلم وریاءِ خلق را خشیت و نهان داشتنِ کینه را اندر دل حلم و مجادله را مناظره و محاربت و سفاهت را عظمت و نفاق را زهد و تمنارا ارادت و هذیان طبع را معرفت و حرکات دل و حدیثِ نفس را محبت و الحاد را فقر و جُحود را صفوت، و زندقه را فنا و ترکِ شریعت ِپیغامبر را صلعم طریقت و آفت اهل زمانه را معاملت نام کرده اند تا ارباب معانی میانِ ایشان مهجور گشته اند وایشان غلبه گرفته ... چه نیکو گفته است آن شاهِ اهلِ حقایق و برهان و تحقیقِ دقایق ابو بکر واسطی: اُبتُلینا بِزمانٍ لَیسرَفیهِ آدابُ الاسلام ولا اَخُلاق الجاهلیةِ ولا احکام ذوِی المُرُو ءةِ وشبلی گوید موافق این بیت: لَجاء [لحا] الله ذی الدنیا مناخاً لِراکِب.

فَکُلُّ بَعِیدِ الهَمِّ فیها مُعذَّبُ

انگریزی ترجمہ:

"The royal falcon is sure to get its wings clipped when it perches on the wall of an old woman's cottage. Our contemporaries give the name of "law to their lusts,

pride and ambition they call "honour and learning", hypcrisy towards men "fear of God", concealment of anger "clemency", disputation "discussion", wrangling and foolishness dignity", insincerity "renunciation", cupidity "devotion to God", their own senseless fancies "divine knowledge", the motions of the heart and affections of the animal soul "divine love", heresy "poverty", scepticism "purity", disbelief in positive religion "self-annihilation, neglect of the Law of the Prophet "The mystic path, evil communication with time-servers "exercise of piety". As Abu Bakr al-Wasiti said: we are afflicted with a time in which there are neither the religious duties of Islam, nor the morals of Paganism, nor the virtues of Chivalry." And Mutanabbi[10] says to the same effect:

"God curse this world! What a vile place for any camel-rider to alight in!

For here the man of lofty spirit is always tormented" (P:8)

اوپر دیے گئے فارسی اقتباس کا یہ بڑا عمدہ ترجمہ ہے۔ سوائے اس کے کہ ''فقر'' کا کوئی مناسب متبادل انگریزی زبان میں نہیں۔ نکلسن نے اس کا متبادل Poverty دیا ہے۔ فقر کا یہی ترجمہ نکلسن کے مابعد کے تصوف پر لکھنے والوں مثلاً ولیم چٹک وغیرہ نے دیا ہے۔ میرے خیال میں تو فقر کی وضاحت کرنے کے بعد اسے انگریزی میں بھی "Faqr" ہی لکھنا چاہیے۔

مختصر یہ کہ تجرید و توکل کے امام اور فقر و قناعت کے سالار حضرتِ شیخ علی ہجویری کی تصنیفِ لطیف ''کشف المحجوب'' کا انگریزی ترجمہ بعض مقامات پر خود کشفِ حجاب کا فریضہ بہ احسن انجام دیتا

Marfat.com

نظر آتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ کشف المحجوب کا یہ انگریزی ترجمہ نکلسن کی ابتدائی کوششوں میں شمار ہوتا ہے اور ابتدائی کوشش ہی اگر سعیِ مشکور قرار پائے تو اس سے زیادہ طمانیت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے قبل انھوں نے صرف دیوانِ شمس تبریز کا منتخب ترجمہ شائع کیا تھا (۱۸۹۸ء) رومی کی مثنوی کے ترجمہ (وتعلیقات) کا کام کہیں بعد میں جا کر ہوا۔ اقبال کی اسرارِ خودی کا ترجمہ بھی کشف کے ترجمے سے کہیں متاخر ہے۔ تصوف و عرفان کی اس قدر اہم تصنیف کو انگریزی میں ڈھال کر نکلسن نے مشرق و مغرب میں مابین ایک مستحکم عرفانی و ثقافتی پل تعمیر کیا اور یہ بات اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ ایسے پُل روز روز تعمیر نہیں ہوا کرتے۔ آربری نے صوفیانہ مزاج کے حامل اس ''درویش''[۱۱] کے کشف المحجوب کے ترجمے کو "An Admirable Translation" قرار دیا ہے۔[۱۲]

❁ ❁ ❁

حواشی

۱۔ تصوف اسلام، ص ۵۲، ۵۴۔

۲۔ یہ بات اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ شیخ تصوف کے دبستانِ جنیدیہ کے پیرو ہیں۔

۳۔ دیباچہ طبع اول، ص xvi۔

۴۔ یہ شعر رسالہ قشیریہ میں بھی بہ ادنیٰ تغیر یوں آیا ہے:
شربت الحب کاساً بعد کاسٍ ......الخ

۵۔ جامہ کے ساتھ ''عادات'' کا لفظ یہاں بے محل نظر آتا ہے مگر یہ زیرِ نظر نسخے کے علاوہ متعدد نسخوں میں ہے۔ نسخہ محمود عابدی، اور نسخہ ژوکوفسکی میں صرف ''جامہ'' ہے رک (بالترتیب) ص ۴۸۲ و ص ۴۲۵

۶۔ ناصر خسرو نے حضرت جنید بغدادی ہی کے مکالمے کو شعر کے پیکر میں ڈھال کر اس کی دھار تیز تر کر دی۔ شعر ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

حاجیان آمدند با تعظیم شاکر از رحمتِ خدای رحیم
آمده سوی مکه از عرفات زده لبیک عمره از تعظیم
یافته حج و عمره کرده تمام بازگشته بسوی خانه سلیم
من شدم ساعتی به استقبال پای کردم برون زحدِ گلیم
مر مرا درمیانِ قافله بود دوستِ مخلص و عزیز و کریم
گفتم اورا بگوی چون رستی زین سفر کردنِ به رنج و به بیم
شاد گشتم بدو که حج کردی چون تو کس نیست اندرین اقلیم
باز گو تاچگونه داشته ای حرمتِ آن بزرگوارِ حریم
چون همی خواستی گرفت اِحرام چه نیت کردی اندران تحریم
جمله برخود حرام کرده بدی هرچه مادون کردگار عظیم
گفت نی، گفتمش زدی لبیک زسر علم و از سرِ تعظیم
می شنیدی ندای حق و جواب باز دادی چنانکه داد کلیم
گفت نی، گفتمش چودر عرفات ایستادی و یافتی تقدیم
عارفِ حق شدی و منکرِ خویش به تو از معرفت رسید نسیم
گفت نی، گفتمش چو میرفتی در حرم همچو اهلِ کهف و رقیم
ایمن از شرِ نفسِ خود بودی در غمِ حرقت و عذابِ جحیم
گفت نی، گفتمش چو سنگِ جمار همی انداختی چو دیو رجیم
از خود انداختی برون یکسو همه عادات و فعلهای ذمیم
گفت نی، گفتمش چو می کشتی گوسفند از پی اسیر و یتیم
قربِ حق دیدی اول و کردی قتل و قربان نفس دیوِ لیئم

Marfat.com

گفت نی، گفتمش چوکردی سعی   از صفا سوی مروه بر تقسیم
دیدی اندر صفای خود کونین   شد دلت فارغ از جحیم و نعیم
گفت نی، گفتمش چوگشتی باز   مانده از ہجر کعبہ دل بہ دو نیم
کردی آنجا بگور مر خود را   ہمچنانی کنون کہ گشتہ رمیم
گفت ازین باب ہرچہ گفتی تو   من ندانستہ ام صحیح و سقیم
گفتم ای دوست پس نکردی حج   نشدی در مقام محو مقیم
گر تو خواہی کہ حج کنی پس ازین   این چنین کن کہ کردمت تعلیم

شاہکارہای شعر فارسی از رودکی تا بہار، گردآورندہ حسین کوہی کرمانی، ص ۱۳۰-۱۳۲

۷- مراد پیرومرشد حضرتِ علی ہجویری شیخ ابوالفضل ختلی

۸- یہ فارسی اور کلاسیکی اردو کا معروف اسلوب رہا ہے کہ پایہ ہائے تخت کے ناموں سے پہلے حضرت کا سابقہ لگا دیا جاتا تھا جیسے حضرتِ دہلی، حضرتِ بغداد وغیرہ۔ واضح رہے کہ ''حضرت'' پایۂ تخت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

۹- میں نے فارسی متن میں کہیں کہیں قلابین میں زیرِنظر متن سے مختلف الفاظ درج کیے ہیں اور اس ضمن میں محمود عابدی کی مرتبہ کشف المحجوب کے متن کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

۱۰- نسخہ لاہور میں، جس پر نکلسن نے اپنے ترجمے کی بنیاد رکھی، متنبیؔ نہیں شبلی ہے۔ محمود عابدی کے متن میں بھی شبلی ہے۔ ژوکوفسکی کے متن میں بھی شبلی ہی درج ہے مگر حاشیے میں اختلاف متن ظاہر کرتے ہوئے متنبیؔ بھی درج کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت یہ شعر متنبی ہی کا ہے۔ رک دیوان المتنبی (مرتبہ ومترجمہ مولانا محمد اعزاز علی) ص ۹۱

۱۱- آربری نے نکلسن پر اپنے شخصی مضمون کا عنوان ''درویش'' رکھا ہے: "The Dervish" مشمولہ "Oriental Essays"، ص ۱۹۷-۲۳۲

۱۲- "Oriental Essays"، ص ۲۰۸-۹

Marfat.com

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کا ترجمۂ کشف المحجوب ایک تاثر

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری *

حضرت شیخ مخدوم علی بن عثمان بن ابی الحسن علی جُلّابی ثُم ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، جن کا چشمۂ فیض کم وبیش دس صدیوں سے جاری وساری ہے اور تشنگان علم و عرفان کو سیراب کرتا چلا آ رہا ہے، ایک جلیل القدر صوفیِ باصفا اور ولی کامل ہونے کے علاوہ قرآن، حدیث، تفسیر، فلسفہ، منطق اور اپنے عہد کے دیگر متداول علوم پر حاکمانہ قدرت اور مکمل دستگاہ رکھنے والے بے مثل و بے عدیل عالم بھی تھے۔ خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب یہ معروف شعر ان کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں پر صادق آتا ہے:

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رَہنما

داتا صاحب کی گنج بخشی اور راہنمائی کا ایک آفاقی وابدی مظہر ان کی زندہ و جاوید علمی و روحانی تصنیف کشف المحجوب ہے جسے حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا تھا:

''اگر کسی را پیری نہ باشد چون این را مطالعہ کند او را پیدا شود''۔

---

* پروفیسر، صدر شعبہ اردو، اورینٹل کالج، لاہور

Marfat.com

[اگر کسی کو مرشد میسّر نہ ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کرے، اُسے مُرشدِ کامل مل جائے گا۔]

کشف المحجوب کے علاوہ بھی داتا صاحب کی گیارہ تصانیف کا سراغ ملتا ہے جن میں سے نو کا ذکر تو مذکورہ تصنیف میں بھی آیا ہے۔ ان میں ایک شعری دیوان بھی شامل تھا۔ یہ سب کتابیں دست بُردِ زمانہ کا شکار ہو چکی ہیں اور یہ اعجاز صرف کشف المحجوب ہی کے حصے میں آیا ہے کہ یہ زمان و مکان کی حدوں کو پھلانگ کر ابدیت سے ہمکنار ہو گئی ہے۔ پردوں کے اندر چھپی ہوئی حقیقت کو بے نقاب کرنے والی یہ اسمِ بامسمّٰی کتاب داتا صاحب کے ہمراہ غزنین سے لاہور تشریف لانے والے ایک بزرگ ابو سعید ہجویری کے تصوف اور صوفیہ کے بارے میں پوچھے گئے چند سوالوں کے جواب میں قلمبند کی گئی۔ اس کتاب میں اختیار کیا گیا طریقِ تسوید یہ ہے کہ مختلف مباحث کے بیان میں ابتداً قرآن و حدیث اور اقوالِ صوفیہ کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے اور بعد ازاں ان کی روشنی میں تعبیر و تشریح کا سلسلہ آگے بڑھایا گیا ہے۔ اقوالِ صوفیہ سے اتفاق کے ساتھ ساتھ نقطۂ نظر کے اختلاف کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔

کشف المحجوب کو تصوف و اخلاق، فقر و استغنا اور طریقت و حقیقت کے مسائل و مراحل کے حوالے سے نہایت معتبر و مقتدر دستاویز مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر سے اس کی بہت سی اشاعتیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں جن میں خطی نسخوں کی متعدد عکسی طباعتیں بھی شامل ہیں۔ اسے تخریج و توضیح اور حواشی و تعلیقات کے حوالے سے موضوعِ تحقیق بنانے کی مثالیں بھی ملتی ہیں اور یہ فارسی سے دنیا کی کئی زبانوں میں منتقل بھی کی گئی ہے۔ مستشرقین میں پروفیسر نکلسن کا انگریزی ترجمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں نہ صرف مشرقی دانشوروں بلکہ مستشرقین نے بھی تصوف و اخلاق کے موضوع پر لکھتے ہوئے جگہ جگہ کشف المحجوب کے حوالے دیے ہیں۔ جہاں تک تراجم کا تعلق ہے، کشف المحجوب کے سب سے زیادہ تراجم غالباً اردو

Marfat.com

زبان میں ہوئے ہیں۔ فیروز سنز لمیٹڈ کے بانی و مہتمم مولوی فیروز الدین کے ترجمے موسوم بہ 'بیان المطلوب' (۱۸۹۴ء) سے لے کر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کے ترجمے (۲۰۰۷ء) تک دسیوں ترجمے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ان ترجموں میں علاّمہ فضل دین گوہر، میاں طفیل محمد، غلام معین الدین نعیمی اشرفی اور ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کے تراجم شامل ہیں۔ مذکورہ ترجموں کے ایک سے زیادہ ایڈیشن اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ یہ اور دیگر اردو تراجم اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان کے توسّط سے کشف المحجوب کے حلقۂ قارئین میں وسعت پیدا ہوئی اور داتا صاحب سے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے والوں میں اضافہ ہوا۔ لیکن اگر ترجمے کے علمی و تکنیکی تقاضوں کی طرف دیکھا جائے تو بہت کم مترجم ایسے ہوں گے جنھوں نے انھیں پورا کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ ہم جانتے ہیں کہ ترجمے کی اساس متن ہوتا ہے اور مترجم کے لیے لازم ہے کہ اس کا تعہّد متن کے ساتھ ہو۔ یا بالفاظ دیگر مترجم کے لیے متن کا وفادار ہونا ضروری ہے۔ اس حد تک کہ وہ متن سے انحراف کو گناہ تصور کرے۔ گویا متن اور ترجمے میں 'مساوات' کی صورت میں مطابقت ہونی چاہیے۔ ترجمے میں 'اِخلال و تطویل' یا 'حشو و زواید' کی قطعی طور پر کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب ہم اس کسوٹی پر کشف المحجوب کے تراجم کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بیشتر تراجم نقل و ترسیلِ معانی کا فرض ادا کرتے ہیں تاہم بعض مترجمین نے متن کے ساتھ وفادار ہونے کے بجائے ترجمانی کے زعم میں من مانی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اور ایک آدھ مترجم نے تو تلخیص کے نام پر متن کے دل پسند اجزا لینے پر اکتفا کر کے اس کی کلیّت مجروح کر دی ہے۔ ہمیں کسی کی نیّت پر شک نہیں، مگر ایسا کرنا مترجم کے دائرۂ عمل سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔ اور بالخصوص کشف المحجوب جیسی نادر اور متبرک کتاب کے ساتھ ایسا سلوک کرنا کسی لحاظ سے بھی موزوں نہیں۔

کشف المحجوب کے تراجم کے حوالے سے ہمارے مشاہدے میں دوسری بات یہ آئی

Marfat.com

ہے کہ بیش تر مترجمین نے اپنے پیش رو مترجمین سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ کہنا تو شاید مبالغہ آمیز معلوم ہو کہ بعض مترجمین نے فارسی متن دیکھا بھی نہیں تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ پیش رو مترجمین سے استفادے نے کئی مقامات پر خوشہ چینی کی صورت اختیار کر لی ہے اور کہیں کہیں تو بات نقلِ معانی سے نقلِ عبارت تک جا پہنچی ہے۔ بہت سی جگہوں پر تو محض جملوں کی نحوی ساخت تبدیل کرنے اور افعال و مصادر کو آگے پیچھے کرنے کی زحمت ہی اٹھائی گئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کا ترجمہ سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ چار سو اڑتالیس صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ عمدہ کاغذ اور خوبصورت جلد کا اہتمام کرتے ہوئے طبع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی بارہ صفحات (صفحہ ۵ تا ۱۶) پر ''داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۔ احوال و آثار'' کے زیرِ عنوان بیس ذیلی عنوانات کے تحت ایک تعارفی تحریر شامل کی گئی ہے۔ اس کے بعد چار سو بتیس صفحات (صفحہ ۱۷ تا ۴۴۸) کشف المحجوب کے ترجمے پر مشتمل ہیں۔ یہ ترجمہ 'مقدمہ' کے علاوہ چونتیس ابواب میں پھیلا ہوا ہے جو بہت سی فصلوں میں منقسم ہیں۔

مترجم کتابوں کے آغاز میں داتا صاحب کے احوال و آثار تحریر کرنے کی روایت بعض استثنائی مثالوں سے قطع نظر، عام دکھائی دیتی ہے۔ اس کا آغاز مولوی فیروز الدین کے ترجمے سے ہی ہو گیا تھا۔ اس ضمن میں اکثر کتابوں میں مصادر و منابع کا اندراج نہیں ہوا۔ ایک آدھ کتاب مثلاً ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کی ''کلام المرغوب'' کے آغاز میں شامل حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی لکھی ہوئی تعارفی تحریر میں صفحہ بہ صفحہ پاورق پر حوالہ جات درج کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔(۱) ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے تحقیقی نقطۂ نظر سے بیانات کی صحت کا تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر شبلی نے جدید تحقیق کے اصول و قواعد سے واقف ہوتے ہوئے بھی تحقیقی مصادر و مآخذ کی نشاندہی کیے بغیر داتا صاحب کے احوال و آثار قلمبند کر

Marfat.com

دیے ہیں۔ گویا اس معاملے میں ان کی سہل پسندی کسی اور مترجم سے کم نہیں، حالانکہ ان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

دوسری حیران کن بات یہ ہے کہ ڈاکٹر شبلی نے اپنی تعارفی تحریر میں اشارہ بھی نہیں کیا کہ انھوں نے ترجمے کے لیے کشف المحجوب کے کس نسخے کو ماخذ بنایا۔ اسی طرح انھوں نے ترجمے کے لیے اختیار کردہ قواعد وضوابط کی وضاحت بھی نہیں کی۔ یوں اصل متن اور ترجمے کے تقابل کی صورت بھی پیدا نہیں ہو پاتی۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ڈاکٹر شبلی فارسی زبان و ادب کا عمدہ ذوق اور اچھا درک رکھتے ہیں تاہم یہ بات پورے اعتماد اور وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کشف المحجوب کا ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے مولوی فیروز الدین کے ترجمے ''بیان المطلوب'' کا نہ صرف تتبع کیا ہے بلکہ اس سے بھرپور استفادہ بھی کیا ہے۔ جس طرح علاّمہ فضل دین گوہر کے ترجمے (۲) کی مانند ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے ترجمے ''کلام المرغوب'' میں بھی مقدمے کے علاوہ انتالیس ابواب قائم کیے گئے ہیں (۳)، اسی طرح ڈاکٹر شبلی نے بھی مولوی فیروز الدین کی پیروی میں مقدمے کے بعد چونتیس ابواب تشکیل دیے ہیں۔ مولوی فیروز الدین نے ایک آدھ باب کے سوا تمام ابواب پرعنوان جمائے ہیں۔ یہی حال ڈاکٹر شبلی کا بھی ہے۔ انھوں نے فہرست میں تو تمام ابواب پرعنوان قائم کیے ہیں البتہ متن میں ایک آدھ استثنائی مثال بھی مل جاتی ہے۔ جیسے جیسے مولوی فیروز الدین نے ہر باب کو فصلوں میں تقسیم کیا ہے، بالکل اسی طرح ڈاکٹر شبلی نے بھی فصلیں بنائی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مولوی فیروز الدین نے ہر فصل کو بالالتزام عنوان دیا ہے جبکہ ڈاکٹر شبلی ہر جگہ یہ التزام برقرار نہیں رکھ سکے اور یوں بہت سی فصلیں بلاعنوان رہ گئی ہیں۔ بہرحال ابواب اور فصلوں کے عنوانات کو اگر بنظرِ تقابل دیکھا جائے تو ان میں بہت مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ ذیل میں ہم اپنے موقف کی وضاحت کے لیے دونوں مترجمین کی کتابوں کے ابتدائی اور آخری ابواب اور

Marfat.com

ان کی فصلوں کے عنوانات درج کرتے ہیں:

مولوی فیروزالدین:

پہلا باب۔ بلاعنوان

پہلی فصل	:	ثبوتِ علم
دوسری فصل	:	علم کی اقسام
تیسری فصل	:	معرفت وشریعت
چوتھی فصل	:	مذہبِ سوفسطائیہ
پانچویں فصل	:	صوفیا کے اقوال (۴)

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی:

پہلا باب۔ بلاعنوان

(لیکن فہرست میں 'علم اوراس کے متعلقات' کا عنوان قائم کیا گیا ہے)

پہلی فصل	:	بلاعنوان
دوسری فصل	:	علم کی اقسام
تیسری فصل	:	بلاعنوان
چوتھی فصل	:	مذہب سوفسطائیہ
پانچویں فصل	:	اقوالِ صوفیا (۵)

مولوی فیروزالدین:

چونتیسواں باب۔ گیارھویں پردے کا کھولنا

پہلی فصل	:	ثبوتِ سماع
دوسری فصل	:	قرآن کا سننا

تیسری فصل : شعر کے سماع میں

چوتھی فصل : خوش آوازوں کے سننے میں

پانچویں فصل : سماع کے احکام میں

چھٹی فصل : سماع کے متعلق مشائخ کے کلمات

ساتویں فصل : سماع میں صوفیا کا اختلاف

آٹھویں فصل : سماع میں صوفیا کے مرتبے

نویں فصل : سماع کے متعلق امور

دسویں فصل : ہوس انگیز اشعار سننے کی کراہت

گیارھویں فصل : وجد، وجود و تواجد اور ان کے متعلقات

بارھویں فصل : سماع میں رقص

تیرھویں فصل : گدڑی کے بیان میں

چودھویں فصل : سماع کے آداب (۶)

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی:

چونتیسواں باب۔ سماع اور اس کے مسائل

پہلی فصل : بلاعنوان

دوسری فصل : قرآن کا سننا

تیسری فصل : شعر کے سماع میں

چوتھی فصل : عمدہ آوازوں کا سنا

پانچویں فصل : سماع کے احکام

چھٹی فصل : سماع سے متعلق مشائخ کے اقوال

Marfat.com

ساتویں فصل : سماع میں صوفیا کا اختلاف

آٹھویں فصل : سماع میں صوفیا کے مراتب

نویں فصل : بلاعنوان

دسویں فصل : ہوس انگیز اشعار کے سننے کی کراہت

گیارھویں فصل : وجد، وجود، تواجد اور ان کے متعلقات

بارھویں فصل : سماع میں رقص

تیرھویں فصل : گدڑی کے بیان میں

چودھویں فصل : سماع کے آداب (۷)

مولوی فیروز الدین نے تکمیل ترجمہ کے بعد اضافی مگر مفید کام یہ کیا ہے کہ باب بہ باب "تلخیص کشف المحجوب" پیش کردی ہے جو آخری پچیس صفحات (۳۸۳ تا ۴۰۷) میں سمٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر شبلی نے ایسی کوئی کاوش نہیں کی۔

مولوی فیروز الدین اور ڈاکٹر شبلی کے تراجم میں ایک اور مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر شبلی نے بھی مولوی فیروز الدین کے تتبع میں متن میں شامل آیات و احادیث اور عربی اقوال و اشعار درج کرنے کے بعد واوین یا خطوط وحدانی میں ان کا اردو ترجمہ دے دیا ہے۔ کشف المحجوب کے متن میں بالعموم عربی عبارتوں کا فارسی ترجمہ دکھائی نہیں دیتا۔ شاید اس کے احاطۂ تحریر میں آنے کے زمانے میں اس امر کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بعض اردو مترجمین، بالخصوص مولوی فیروز الدین نے اضافی طور پر یہ خدمت انجام دی کہ ان کے ساتھ اردو ترجمہ درج کرنے کا التزام کیا۔ ایسے موقعوں پر ترجمہ درج کرنے کے لیے واوین یا خطوط وحدانی کے استعمال کے باعث اسے بآسانی اصل فارسی عبارت کے ترجمے سے ممیز کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ایسا کرنے سے اردو ترجمے کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر شبلی نے بھی سوائے ایک آدھ مقام کے (مثلاً

''مقدمہ'' کے آغاز میں داتا صاحب کی درج کردہ عربی عبارت اور اس کا اردو ترجمہ محذوف ہے) عربی عبارتوں کے بعد ان کا اردو ترجمہ بالالتزام درج کیا ہے۔عربی عبارت درج نہ کرنے کی ایک آدھ استثنائی مثال مولوی فیروز الدین کے ترجمے میں بھی مل جاتی ہے۔

جہاں تک ترجمے کی عبارت کا تعلق ہے، اس میں بھی دونوں مترجمین کے ہاں خاصی مماثلت محسوس ہوتی ہے۔دونوں کی عبارت رواں اور قابلِ فہم ہے۔البتہ مولوی فیروز الدین کی زبان میں زمانی بُعد کے باعث کسی قدر قدامت کا احساس ہوتا ہے جس سے ڈاکٹر شبلی کی زبان بہت حد تک محفوظ ہے۔یہاں ہم دونوں مترجمین کے دو دو اقتباس بطورِ مثال پیش کرتے ہیں:

مولوی فیروز الدین: تیسرا باب ___ پہلی فصل

''لوگوں نے اسم (تصوف) کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کیے ہیں اور (اس موضوع پر متعدد) کتابیں لکھیں۔ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے، جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم سے محبت کرتا ہے۔ایک اور گروہ کا قول ہے کہ یہ اسم لفظ 'صفا' سے مشتق ہے، الغرض لفظ تصوف کے معنی میں ہر شخص نے لطیف اشارات بیان کیے ہیں، لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ سب لغوی تحقیق ہے، جس کا (تصوف کے) حقیقی معنی سے کوئی تعلق نہیں۔صفائی سب امور میں محمود ہے اور اس کی ضد کدورت ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ذَھَبَ صَفْوُ الدُّنْیَا وَبَقِیَ کَدُرُھَا (ترجمہ: دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی)۔کسی چیز کی خوبیوں کا نام اس کی برگزیدگی اور عمدگی ہے اور اس کی خرابیوں کا نام اس کی کدورت اور برائی ہے، چونکہ اس حال (تصوف) والوں نے اپنے اخلاق و معاملات (ظاہری اطوار) کو درست کر لیا ہے اور طبیعت کی آفت (طبعی اور باطنی عیوب) سے بیزاری اختیار کر لی ہے، اس لیے ان لوگوں کو صوفی کہتے ہیں اور یہ اسم اس گروہ کا اسمِ علم ہے، اس لیے

Marfat.com

کہ ان لوگوں کا حصہ (حق) اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ ان کے معاملات کو پوشیدہ رکھا جا سکے، یہاں تک کہ ان کے اسم کے لیے بھی کسی ایسے مادہ سے مشتق ہونا لازم ہے (کہ وصفی معنی پر دلالت کرے) اور اس زمانے میں حق تعالیٰ نے اکثر لوگوں کو اس حال (تصوف) اور اہل تصوف سے حجاب میں کر رکھا ہے اور اس حال کی عمدگی کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ اس گروہ کا خیال ہے کہ یہ کام محض مشاہدۂ باطن کے بغیر ظاہر کی اصلاح ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ صوفی ایک اسم ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں یہاں تک کہ بے ہودہ لوگوں کو دیکھ کر علمائے ظاہر بیں نے بھی اس طریق (تصوف) کی اصلیت ہی کا انکار کر دیا ہے اور اس کے پردے ہی سے خوش ہو گئے ہیں۔ اس لیے عوام نے ان کی تقلید کی اور طلبِ صفائے باطن کا خیال دل سے بالکل مٹا دیا اور سلف صالحین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔'' (۸)

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی: تیسرا باب ___ پہلی فصل

''لوگوں نے صوفی کے نام کی تحقیق کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور کتابیں تحریر کی ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صوفی کو اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ اسے اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ وہ صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔ ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ اسے صوفی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصحابِ صفہ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے۔ ایک گروہ صوفی کے لفظ کو صفا سے مشتق جانتا ہے۔ الغرض تصوف کے معنوں میں ہر شخص نے باریک نکتے بیان کیے ہیں، لیکن یہ سب لفظی تحقیق ہے، جس کا تصوف کے حقیقی معنوں سے کوئی تعلق نہیں۔

پس صفا ہر حال میں قابلِ ستائش ہے اور 'کدر' اس کی ضد ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَ بَقِيَ كَدَرُهَا (دنیا سے صفا جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ

Marfat.com

گئی۔) کسی چیز کی لطافت کا نام صفا ہے اور کثافت کا نام کدورت ہے۔ پس جب صوفیا نے اپنے معاملات اور اخلاق کو مہذب اور شائستہ بنایا اور انھوں نے طبیعت کی برائیوں سے خود کو دور رکھا تو انھیں صوفی کہا گیا۔ یہ نام اس گروہ کا اسم علم (خاص نام) ہے۔ یہ نام انھیں اس لیے دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا درجہ اس نام سے بہت بڑھ کر ہے اور ان کے معاملات کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے اسم کے لیے بھی کسی ایسے ہی مادہ سے مشتق ہونا ضروری ہے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس مسلک اور اہلِ مسلک کو حجاب میں چھپا رکھا ہے۔ ان کے حال کی لطافت کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ سمجھتا ہے کہ یہ تو ایک بے حقیقت اور بے اصل حیلہ اور رسم ہے۔ یہاں تک کہ بیہودہ لوگوں کو دیکھ کر علماے ظاہر بیں نے تو طریقۂ تصوف کی اہمیت ہی کا انکار کر دیا۔ اس صورتِ حال کے حجاب سے خوش ہو گئے۔ عوام نے ان کی پیروی کی اور اپنے دل سے صفاے باطن کے خیال ہی کو محو کر دیا اور انھوں نے صحابہ واسلاف کے مسلک کو نظر انداز کر دیا۔" (۹)

مولوی فیروز الدین: تینتیسواں باب ___ گیارھویں فصل

"شریعت و حقیقت:

یہ دونوں بھی اصطلاحاتِ صوفیا میں سے ہیں۔ ایک سے ظاہری حال کی صحت مراد ہے اور دوسری سے باطنی حالت کی دُرستی مراد ہے، لیکن دو گروہوں کو اس میں غلطی لگی ہے۔ ایک تو علماے ظاہر کو کہ وہ کہتے ہیں ہم دونوں میں فرق نہیں کرتے، کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت شریعت۔ دوسرا گروہ ملحدین کا ہے جو ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر قائم رہنا روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حقیقت کا حال ظاہر ہو گیا تو شریعت اُٹھ گئی۔ یہ کلام بعینہٖ مشبہین (خدا کو جسمانی چیزوں سے تشبیہ دینے والے)، قرامطہ اور وسوسہ ڈالنے والے لوگوں کا ہے اور اس بات کی دلیل کہ شریعت حکم میں حقیت سے جدا ہے، یہ ہے کہ ایمان

Marfat.com

میں دل کی تصدیق زبان کے قول سے جدا ہے اور اس بات کی دلیل کہ اصل میں دل کی تصدیق زبان کے اقرار سے جدا نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ صرف دل کی تصدیق بغیر زبان سے بولنے کے ایمان نہیں ہوسکتی اور زبان کا قول دل کی تصدیق کے بغیر منظور نہیں ہوتا اور قول اور تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ پس 'حقیقت' سے مراد وہ معنی ہیں جن میں نسخ جائز نہیں اور عہدِ آدمؑ سے لے کر عالم کے فنا ہونے تک اس کا حکم ایک ہی ہے، جیسا کہ حق کی معرفت اور اپنے عمل کی صحت جو خلوص نیت پر مبنی ہے اور 'شریعت' سے مراد وہ معنی ہیں جن میں تغیر و تبدل جائز ہے جیسا کہ احکام اور اوامر الٰہی۔ پس شریعت کا قائم کرنا حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قائم کرنا شریعت کی حفاظت کے بغیر محال۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جان کے ساتھ زندہ ہو اور جب جان اس سے جدا ہو جائے تو وہ شخص مردہ ہو جائے اور جان مثل ایک ہوا کے ہوتی ہے، غرض یہ کہ جسم و جان کی قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ٹھیک اسی طرح حقیقت و شریعت ہیں کہ شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے منافقت۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جو لوگ ہمارے دین کے متعلق کوشش کرتے ہیں، ہم انھیں اپنے سیدھے رستے کی ہدایت کریں گے۔'' پس مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ شریعت ظاہری احکام و اوامر کی پابندی ہے اور حقیقت خدا کی طرف سے بندے کے احوالِ باطن کی حفاظت۔ پس شریعت بندے کے کسب و کوشش سے ہے اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور غیبی تائیدات میں سے ہے۔'' (۱۰)

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی: تینتیسواں باب ___ گیارھویں فصل

''شریعت اور حقیقت:

شریعت اور حقیقت بھی صوفیا کی اصطلاحات ہیں۔ ان میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتی ہے اور دوسری باطن کے حال کی استقامت کو ظاہر کرتی ہے۔ ان

Marfat.com

اصطلاحات کی تعریف میں یہ دونوں طبقے غلطی پر ہیں۔ ایک علماے ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں کا ہے جو ایک کا قیام دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ یہ نظریہ قرامطہ، شبہ اور وسوسہ ڈالنے والوں اور شیعوں کا ہے۔ شریعت اور حقیقت کے جدا ہونے پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ محض تصدیق جو بغیر اقرار کے ہو، اسے ایماندار نہیں بناتی اور نہ صرف اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے۔ قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ لہٰذا حقیقت اسی معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ جائز نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ سے فناے عالم تک اس کا حکم قائم و یکساں ہے۔ مثلاً معرفت حق، معاملات میں خلوص نیت وغیرہ اور شریعت اس معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ و تبدیل جائز ہے۔ مثلاً احکام و اوامر وغیرہ۔ شریعت بندے کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ شریعت کا قیام، حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قیام، شریعت کی حفاظت کے بغیر محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک رہتی ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق۔ ارشاد خداوندی ہے: والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹)۔ مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک بندے کے ذمہ ظاہری احکام کی حفاظت ہے۔ دوسرے حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کی حفاظت ہے جو اس کے باطنی اقوال سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا شریعت از قسم کسب و کوشش ہے اور حقیقت از قسم عطاے ربانی ہے۔"(۱۱)

Marfat.com

جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات کے تقابل سے بھی ظاہر ہے، ڈاکٹر شبلی کی زبان نسبتاً زیادہ صاف اور رواں ہے اور اس کا بڑا سبب وہ زمانی فصل ہے جو مولوی فیروز الدین اور ڈاکٹر شبلی کے مابین پایا جاتا ہے۔ یہاں ڈاکٹر شبلی کے دو اور اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ پہلا اقتباس چودھویں باب کی پہلی فصل سے جبکہ دوسرا اقتباس سولھویں باب کی دوسری فصل سے لیا گیا ہے:

''حال ایک کیفیت کا نام ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے دل پر وارد ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو اپنی کوشش سے دور نہیں کیا جا سکتا اور جب وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو اسے کوشش اور تکلف سے واپس نہیں لایا جا سکتا۔ پس مقام سے مراد مجاہدہ کے محل میں طالب کا راستہ ہے۔ اس راستے میں قیام اور عمل کی مقدار کے مطابق اس کو بارگاہِ حق میں مرتبہ ملتا ہے۔ حال سے مراد بندے کے دل میں خداوند کے لطف و کرم کا وارد ہونا ہے اور اس کے لیے بندے کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں پڑتی۔'' (۱۲)

''ترکِ وطن سے مراد کسی زمین کو چھوڑنا نہیں، بلکہ نفس کی پسندیدہ اور مرغوب چیزوں کا ترک کرنا ہے۔ یہ بات عوام کے لیے ہے۔ خواص اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ کشف و کرامات کی لذتوں سے پرہیز کیا جائے۔ ترکِ اخوان کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کے ساتھ دل نہیں لگانا چاہیے کیونکہ غیر اللہ کی محبت حجاب بن جاتی ہے اور جس قدر دل کو غیر کے ساتھ محبت ہوتی ہے، وہ توحید کے معاملے میں اتنا ہی زیرِ حجاب ہو جاتا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ توحید سے مراد ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے اور تفرید اس کی نفی کا نام ہے۔ معلوم اور نامعلوم کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا علم یا تو اس کی ماہیت اور کیفیت یا جنس اور طبیعت کے مطابق ہوتا ہے لیکن توحید ان سب کوائف کی نفی کرتی ہے جو خداوند تعالیٰ کے بارے میں انسان کا ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہل علم کی نفی کا نام ہے۔ علمِ توحید، انسانی دماغ سے بالاتر ہے، اگرچہ علم و جہل دونوں کا تعلق انسانی دماغ سے ہے، تاہم

Marfat.com

علم صحیح تخیل اور جہل غلط تخیل کا نام ہے۔'' (۱۳)

بحیثیت مجموعی ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی کے ترجمے کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ یہ کاوش ایک عمل خیر کے تسلسل کا درجہ رکھتی ہے کہ اس کے ذریعے بھی کشف المحجوب کے بالواسطہ قارئین کی تربیتِ نفس کا سامان فراہم ہوتا ہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا، اگر ڈاکٹر شبلی اس متبرک کام کا بیڑا اٹھاتے ہوئے تحقیق وترجمہ کے ان تقاضوں کو پورا کرنے اور محقق ومترجم کے ان فرائض کی بجا آوری کا عزم بھی کر لیتے جن سے عہدہ برآ ہوئے بغیر ایسی کاوشوں کی علمی حیثیت زیرِ سوال آجاتی ہے۔

❁ ❁ ❁

حواشی

(۱) حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ ''دیباچہ'' مشمولہ، ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری۔ مترجم: کلام المرغوب۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۱ء۔ ص ۵-۶۴

(۲) ایف۔ ڈی۔ گوہر۔ مترجم: کشف المحجوب۔ لاہور: ناشر احمد ربانی، ۱۹۷۲ء۔ ص ا - ط

(۳) ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری۔ مترجم: کلام المرغوب۔ ص ۳-۴

(۴) مولوی فیروز الدین۔ مترجم: بیان المطلوب۔ لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، نیا ایڈیشن، بارِ چہارم، ۲۰۱۰ء۔ ص ۲۱-۲۸

(۵) ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی۔ مترجم: کشف المحجوب۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۲۶-۳۵

Marfat.com

(٦) مولوی فیروز الدین۔ مترجم؛ بیان المطلوب۔ ص ۳۵۸-۳۸۱

(٧) ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی۔ مترجم؛ کشف المحجوب۔ ص ۴۲۰-۴۴۸

(٨) مولوی فیروز الدین۔ مترجم؛ بیان المطلوب۔ ص ۳۸

(٩) ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی۔ مترجم؛ کشف المحجوب۔ ص ۴۶-۴۷

(١٠) مولوی فیروز الدین۔ مترجم؛ بیان المطلوب۔ ص ۳۴۹-۳۵۰

(١١) ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی۔ مترجم؛ کشف المحجوب۔ ص ۴۱۰

(١٢) ایضاً ۔ ص ۱۹۸

(١٣) ایضاً ۔ ص ۲۹۵

Marfat.com

کشف المحجوب تصحیح متن، تحقیق و ترجمۂ صوفی عبدالعزیز۔ ایک تعارف

ڈاکٹر محمد سلیم مظہر *

سیّد علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش (پیدائش پیش از ۴۲۱ ھجری قمری) کی شہرۂ آفاق فارسی کتاب ''کشف المحجوب'' (تألیف تقریباً ۴۶۹ ھجری قمری) کے کئی ملکوں میں متعدد خطی نسخے موجود ہیں (۱)۔ نیز اس کے پاکستان، ہندوستان، ایران اور روس وغیرہ سے متعدد ایڈیشن اور اردو، انگریزی، عربی اور سندھی زبانوں میں کئی تراجم شائع ہو چکے۔ اس کے علاوہ اس کے فارسی متن کے کئی انتخابات بھی منصۂ شہود پر آ چکے ہیں (۲)۔ اگرچہ صرف مختلف سطحوں کے بورڈز اور یونیورسٹیوں یا دینی مدرسوں کے امتحانی نصابات میں شامل کشف المحجوب کے بعض بہت ہی مختصر انتخابات اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں، مگر اس کتاب کے مکمل متن پر مشتمل مطبوعہ نُسخے، صرف فارسی متن پر مشتمل ہیں جب کہ اس کے مختلف زبانوں میں مکمل ترجمے عمومی طور پر بغیر فارسی متن کے شائع ہوئے ہیں۔ لیکن اس کتاب کا ایک منفرد ایڈیشن ہے، جسے صوفی عبدالعزیز الراعی جالندھری اور سیّد فضل مُعین مُعینی اجمیری نے شاہ جی پبلشرز، سمن آباد، لاہور سے ۲۰۰۹ء میں شائع کیا ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کو اس کی خصوصیات کے پیشِ نظر تین مرحلوں پر مشتمل ایڈیشن قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

* پروفیسر، صدر شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، لاہور

سیالکوٹ کے ایک نواحی قصبہ ڈسکہ کے ایک صوفی منش عالم عبدالعزیز الرّاعی جالندھری (۱۵ جمادی الاوّل ۱۳۴۱۔۲۲ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ ق / ۴ جنوری ۱۹۲۳۔۱۰ اپریل ۱۹۹۹ء) نے اپنے ایک مرید اور شاگرد سیّد فضل مُعین مُعینی اجمیری کی معاونت سے چار خطی اور پانچ مطبوعہ نسخوں کی مدد سے کشف المحجوب کے تین طرح سے متن تیار کے شائع کئے ہیں (۳)۔ کشف المحجوب کی اس اشاعت کا پہلا ایڈیشن تینوں ایڈیشنز میں اس اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں نہ صرف عبدالغفور کے حواشی والے خطی نسخے کی عکسی اشاعت کے سامنے اُس کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے، بلکہ دس حصّوں (Volums) پر مشتمل اس ایڈیشن کے ہر حصّہ میں عکسی متن اور اُس کے اردو ترجمے کے بعد ہر نو نسخوں کی بنا پر تیار کردہ معیاری متن، حاشیہ میں اختلاف نُسخ کی تفصیل کے ساتھ، درج ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ''فرہنگ'' کے عنوان سے کشف المحجوب میں درج تقریباً ہر لفظ کے، فرہنگ ولُغت کی مختلف کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے، منبع کے ذکر اور تلفُّظ کی وضاحت سمیت، معانی درج کئے گئے ہیں۔ نیز فرہنگ کے صفحات کے دو حصّے بنا کر، حاشیہ کی مانند نیچے والے حصّے میں کشف المحجوب کا رینولڈ.اے.نکلسن کا ۱۹۱۱ء میں گب میموریل ٹرسٹ لندن سے شائع شدہ انگریزی ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس ایڈیشن میں کتابیات کے عنوان سے تصحیح متن اور ترجمہ وفرہنگ کی تیاری میں استفادہ کئے گئے منابع و مآخذ کی کتابیات بھی دی گئی ہے، جس میں اُن خطی اور شائع شدہ نسخوں کی بھی مکمل تفصیل درج ہے جو اس اشاعت کی تیاری میں استعمال ہوئے ہیں (۴)۔ دوسرے ایڈیشن میں مذکورہ چار خطی اور پانچ شائع شدہ نُسخوں کی بنیاد پر، حاشیہ میں اختلافِ نُسخ کے اندراج سمیت معیاری متن مرتب کیا گیا ہے۔ البتہ اس اشاعت میں اردو ترجمہ درج نہیں ہے۔ تیسرا ایڈیشن صرف عبدالغفور کے حاشیہ والے نُسخہ کی عکسی اشاعت کی صورت میں ہے، جس میں کتاب کے دائیں صفحہ پر مذکورہ خطی نسخہ کا عکس اور اُس کے سامنے بائیں صفحہ پر اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اسے مرتبین کا حسنِ نظم و

Marfat.com

ترتیب یا ان کی کرامت کہیے کہ نہ صرف مذکورہ بالا دوسرے اور تیسرے ایڈیشنز کا متن ۵۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، بلکہ عبدالغفور کے حواشی والے متن کے سامنے درج ترجمہ کے بھی ۵۴۷ صفحات ہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں نسخوں میں مقدمہ وغیرہ کے زیرِ عنوان متن سے پہلے اور متن کے بعد کی فہرستیں ایک جیسی ہیں، اگرچہ فہرستوں اور مقدمہ کے عنوان سے درج مباحث پر نہ تو صفحات نمبر لگائے گئے ہیں اور نہ ہی انہیں شمار کیا گیا ہے۔ البتہ دوسری اور تیسری اشاعتوں میں بالترتیب آیاتِ قرآنی، احادیثِ پاک، انبیا علیہم السلام، رجال ونساء، بلاد واماکن وملل ونحل اور کتب کی فہرستوں کے علاوہ انگریزی زبان میں دو صفحات پر ۲۳ ملکی اور بین الاقوامی لائبریریوں کے نام اور پتے دیئے گئے ہیں جن میں یہ کتاب تحفتاً ارسال کی گئی ہے۔

کشف المحجوب کے زیرِ بحث ایڈیشن کی مذکورہ بالا پہلی دو اشاعتوں کے آخر، اور تیسری اشاعت کی پہلی جلد کے اختتام پر، تصحیحِ متن میں استفادہ کئے گئے ہر نو نسخوں کے ایک ایک صفحہ کے عکس دیئے گئے ہیں تاکہ قاری کو اس کام کی کیفیت کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔ نیز اس کے اس ایڈیشن کی عبارات کو قارئین کی سہولت کے پیشِ نظر، قرآن مجید کی آیاتِ مبارکہ کی مانند جملوں میں تقسیم کر کے نمبر زدیئے گئے ہیں اور مُرتبین نے بُہت محنت سے جملوں کی تعداد سات ہزار ایک سو دس (۷۱۱۰) متعین کی ہے۔ مترجمین و مرتبین کے اس اہتمام سے قاری کو متن کا ترجمہ سمجھنے میں بہت سہولت رہتی ہے اور وہ کسی ابہام کا شکار نہیں ہوتا، کیونکہ فارسی متن کے جملہ نمبر ایک کا ترجمہ سامنے والے صفحہ پر جملہ نمبر ایک کے تحت درج ہوتا ہے۔ میرے علم کے مطابق ٹیکنیکلی یہ اپنی نوعیت کی منفرد تصحیح و اشاعت ہے اور بلا شبہ اس کی تیاری میں مرتبین کی محنت سے زیادہ حضرت داتا گنج بخش اور کشف المحجوب کے ساتھ مرتبین کے والہانہ عشق و وارفتگی کا عمل دخل ہے اور داتا صاحب کی روحانی مدد بھی اُن کے شاملِ حال رہی ہے۔

اگرچہ اہلِ علم و دانش اور اربابِ قلب و نظر کی لگن اور محنت سے کشف المحجوب کے اردو

Marfat.com

زبان میں بہت سے ترجمے شائع ہو چکے ہیں، لیکن صحتِ معانی کے اعتبار سے اس اشاعت میں شامل اردو ترجمہ بہت نمایاں مقام کا حامل ہے۔ کیونکہ مترجمین نے اس میں کئی دوسرے تراجم کے برخلاف متن کے بہت قریب رہتے ہوئے اُس کا بہت سادہ اور رواں ترجمہ کیا ہے، پڑھنے والے کے لئے معانی ڈھونڈنے اور سمجھنے میں مزید آسانی اس وجہ سے بھی ہے کہ تفصیلی اقتباسات کے اقتباس کی صورت میں ترجمہ کی بجائے علیحدہ علیحدہ نمبر دے کر ہر ایک جملہ کا علیحدہ ترجمہ کیا گیا ہے جو کہ قابلِ تعریف اور تقلید طریقہ ہے۔

کتاب کے مقدمہ کے مطابق صوفی عبدالعزیز کا ۱۰۔اپریل ۱۹۹۹ء کو انتقال ہو گیا اور اُن کے شروع کئے گئے اس کام کو اُن کے مرید اور شاگرد سیّد فضل مُعین مُعینی نے ۲۶ رمضان بروز سوموار ۱۴۱۵ ھجری قمری کو مکمل کر کے (۵) اپنے ہی ملکیتی اشاعتی ادارے شاہ جی پبلشرز، لاہور سے ۹۔جولائی ۲۰۰۹ء کو شائع کیا۔

اس اشاعت کے بارے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس کی کیفیت اور کاغذ کی نوعیت دیکھ کے یوں لگتا ہے جیسے الیکٹرانک ٹائپ رائٹر سے ٹائپ شدہ متن کی فوٹو کاپی کر کے اُس کی جلد بندی کر دی گئی ہے، اس خیال کی تائید کی دلیل یہ بھی ہے کہ تینوں طرح کی اشاعتوں کے آخری دو صفحات پر انگریزی زبان میں اُن لائبریریوں کے نام اور پتے درج ہیں جن کو یہ کتاب ارسال کی جا چکی ہے اور وہ صفحات کاغذ اور چھپائی کے حوالے سے بالکل متن کے صفحات جیسے ہی ہیں، اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ مرتبین نے عکسی نقول ہی کتاب کے آخر پر چسپاں کر دی ہیں۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات ویادداشتیں

۱۔ عابدی، محمود، مقدمہ کشف المحجوب، صص پنجاہ وہفت۔شصت وشش

۲۔ ایضاً، صص پنجاہ وچھار۔پنجاہ وہفت؛اختر راہی، صص ۱۰۷۔۱۰۸، ۳۶۶، ۴۱۷

۳۔ بقول مرتّبین (ملاحظہ ہو کتاب کے بالکل آخر پر صفحات نمبر کے بغیر ورق)"

The set consists of total 3 books in 12 bindings which includes:

1- Kashf al Mahjoob complete research work (Volume 1 to 10)

2- Kash al Mahjoob (Persian) book.

3- Kashf al Mahjoob Persian with Urdu translation, complete book.

۴۔ کشف المحجوب کی زیرِ بحث اشاعت کی تصحیح میں استفادہ کئے گئے خطی اور شائع شدہ نسخوں کی تفصیل اس طرح سے ہے (ہجویری، عبدالعزیز، ج۱، صص ۳۔۴ (کتابیات)

(۱) خطی ۱: کشف المحجوب کا چار سو سال پرانا یہ خطی نسخہ مرتّبین کو حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے دستیاب ہوا۔

(۲) خطی ۲: یہ نسخہ اس اشاعت کے شریک مرتّب سید فضل مُعین مُعینی کی ملکیت ہے۔

(۳) خطی ۳: خطِ نستعلیق میں بہت صاف لکھے گئے اس خطی نسخہ کی مرتّبین نے تفصیل نہیں دی۔

(۴) خطی ۴: یہ میاں خوشی محمد سجادہ نشین داتا دربار کے خطی نسخہ کی فوٹو کاپی ہے جو مرتّبین کو بازار سے دستیاب ہوئی۔

Marfat.com

(۵) تہران: یہ شائع شدہ ایڈیشن علی قویم کا مرتب کردہ ہے۔

(۶) سمرقند: سمرقند، ازبکستان سے عبدالمجید مفتی بن ملا سید عبداللہ المدرس الحنفی نے شائع کیا۔

(۷) لاہور: مولانا سیّد احمد علی شاہ، پرفیسر اسلامیہ کالج کا مرتبہ یہ نسخہ ۱۹۲۳ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

(۸) ملتان: بہاء الدین زکریا ملتانی کے کتابت شدہ قدیم نسخہ کی بنیاد پر مولوی محمد شفیع نے لاہور سے شائع کیا۔

(۹) (الف) ژو (ژوکوفسکی) پروفیسر والنٹین ژوکوفسکی کا مرتبہ یہ ایڈیشن، لینن گراڈ، روس سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔

(ب) ژوح: ژوکوفسکی کے مرتبہ ایڈیشن کے حواشی

۵۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب (عبدالعزیز)، ص ۵۴۷ (تمام شد بہ بیست و ششم شهرِ مبارکِ رمضان روزِ دوشنبہ ۱۴۱۵ ہجری)۔

منابع

☆ اختر راہی، ترجمہ ھای متونِ فارسی بہ زبانھای پاکستانی، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

☆ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مرتبہ عبدالعزیز الراعی جالندھری و فضل مُعین مُعینی، لاہور، ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، مرتبہ، محمود عابدی، تہران، ۱۳۸۴ش

☆ عابدی، محمود، مقدمہ کشف المحجوب، تھران، ۱۳۸۴ش

کشف المحجوب، طبعِ محمود عابدی، تعارف اور جائزہ

غلام معین الدین نظامی *

سیدِ ہجویر، مخدومِ امم حضرت سیّد علی بن عثمان ہجویری کی فارسی تالیفِ لطیف کشف المحجوب بہ جاطور پر تصوّف کے اصول و آداب کی امّہاتِ کتب میں شمار ہوتی ہے۔ صاحبانِ علم و تحقیق اور اہلِ فضل و کمال کے ہاں اس کی غیر معمولی وقعت اور بے مثال مقبولیت اس کی اہمیت و افادیت پر دلالت کرتی ہے۔ کشف المحجوب ایک زندۂ جاوید کتاب ہے جسے عالمی سطح پر بھی بہت پذیرائی ملی ہے۔ اب تک اس کے فارسی متن کی کئی اشاعتیں اور مختلف زبانوں میں متعدد تراجم اور انتخاب سامنے آچکے ہیں۔

ممتاز ایرانی محقق ڈاکٹر محمود عابدی کے اہتمام سے کشف المحجوب کی ایک معتبر اشاعت بہت وقیع اور قابلِ قدر کاوش ہے۔ ڈاکٹر محمود عابدی کا یہ تدوینی شاہ پارہ انتشاراتِ سروش، تہران نے ۱۳۸۳ش/۲۰۰۴ء میں شایع کیا۔ زیرِ نظر مقالہ اسی کے تعارف اور جائزے پر مشتمل ہے(۱)۔

ڈاکٹر محمود عابدی ۱۳۲۳ش/۱۹۴۴ء میں فریدن۔ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اصفہان یونیورسٹی سے بی اے اور تہران یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۸۴ء میں تہران یونیورسٹی ہی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ تہران کی تربیت معلّم یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، پچیس برس سے زیادہ کا تدریسی و تحقیقی تجربہ رکھتے ہیں اور کئی اعلیٰ پایے کے علمی و تحقیقی مراکز سے بھی وابستہ ہیں (۲)۔

---

* پروفیسر، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، لاہور

Marfat.com

ڈاکٹر محمود عابدی کو تصوّف و عرفان سے فطری مناسبت اور دلی لگاؤ ہے۔ ان کا پسندیدہ ترین میدانِ تحقیق بھی یہی موضوع رہا ہے۔ تصحیح انتقادیِ نفحات الانسِ جامی ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ تھا جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا (۱۳) اور بالاتفاق نفحات الانس کی بہترین اشاعت قرار پایا۔ بعد میں انھوں نے عبدالغفور لاری کے تکملۂ نفحات الانس کی تدوین بھی کی (۴)۔ نفحات الانس پر دادِ تحقیق دیتے ہوئے ڈاکٹر عابدی کی توجہ کشف المحجوب کی طرف مبذول ہوئی اور انھوں نے تعلیقاتِ نفحات میں لکھا کہ کشف المحجوب اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر خراسانی عرفان و ادب کا بے مثال نمونہ ہے اور کسی صاحبِ ہمّت کو اس کی شایانِ شان تدوینِ نو کا بیڑا اٹھانا چاہیے (۵)۔ پھر عنایتِ الٰہی اور توفیقِ ایزدی نے یاوری کی اور وہ خود اس کارِ خطیر کی بجا آوری پر کمر بستہ ہوئے۔ وہ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کدکنی کی تشویق کو سب سے بڑا محرّک قرار دیتے ہیں (طبع عابدی، ص شش)۔ اس ضمن میں انھوں نے ۱۹۹۷ء میں درویشِ گنج بخش کے نام سے کشف المحجوب کا ایک شاہ کار انتخاب شائع کیا (۶) جسے حیرت انگیز پذیرائی ملی (۷)۔ بالآخر ان کی دس برس کی شب و روز کی محنت رنگ لائی اور ۲۰۰۴ء میں ان کا مدوّنہ کشف المحجوب کا کامل متن اشاعت پذیر ہوا۔

ڈاکٹر محمود عابدی کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا یہ شان دار پس منظر ظاہر کرتا ہے کہ مبدأ فیّاض نے انھیں تمام ضروری صلاحیتوں سے بہرۂ وافر عطا کر کے، مطالعات و تحقیقات کے اُن تمام کٹھن تربیتی مراحل سے بڑی کامیابی سے گذارا جن سے عبور کشف المحجوب جیسے اہم متن کی ذمہ دارانہ تدوین کے لیے لازم تھا۔ اگر ان کی اہلیت و صلاحیت، مطالعہ و تحقیق، حوصلہ و ہمت اور محنت و مستقل مزاجی میں کچھ بھی کمی ہوتی تو اتنے عظیم و جلیل تحقیقی منصوبے کا ایسا قابلِ تحسین نتیجہ سامنے نہ آسکتا۔

کشف المحجوب طبعِ عابدی ۱۱۵۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کی جامعیت و افادیت سے آگاہ ہونے کے لیے اس کے مطالب کی تفصیل جاننا ضروری ہے:

Marfat.com

صفحہ۵-۶: ڈاکٹر محمود عابدی کا ابتدائیہ بہ عنوانِ ''.... بہترین سرآغاز''۔

ص۷-۱۰: دقیق فہرستِ مطالب۔

ص۱۱ : علائم ورموز۔

ص۱۲-۷۰: ڈاکٹر محمود عابدی کا مفصّل مقدّمہ۔

ص۷۱-۷۴: نسخۂ اساس کے عکس۔ (کتاب میں یہاں تک کی صفحہ شماری لفظوں میں لکھی گئی ہے۔)

ص۱-۶۱۰: متنِ کشف المحجوب۔

ص۶۱۳-۹۳۲: مبسوط تعلیقات وتوضیحات۔

اس کے بعد سترہ اشاریے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ص۹۳۵-۹۴۳: آیات۔

ص۹۴۴-۹۵۰: احادیث۔

ص۹۵۱-۹۶۵: عربی اقوالِ مشائخ۔

ص۹۶۶-۹۶۹: دعائیں اور دعائیہ جملے۔

ص۹۷۰-۹۷۵: عربی ترکیبات وعبارات۔

ص۹۷۶-۹۷۹: عربی اشعار (اور ایک فارسی شعر)۔

ص۹۸۰-۹۸۸: داستانیں، حکایات۔

ص۹۸۹-۹۹۱: فارسی وعربی ضرب الامثال۔

ص۹۹۲-۹۹۳: حضرتِ ہجویریؒ کی اپنے بارے میں باتیں۔

ص۹۹۴- ۱۰۳۰: اصطلاحات۔

ص۱۰۳۱-۱۰۳۸: عطفی تراکیب، مترادفات وغیرہ۔

ص۱۹۳۹-۱۰۹۳: الفاظ وتراکیب۔

Marfat.com

ص۱۰۹۴-۱۰۹۵: ملل ونحل۔

ص۱۰۹٦-۱۱۱۰: راہنمائے تعلیقات۔

ص۱۱۱۱-۱۱۲۸: اشخاص۔

ص۱۱۲۹- ۱۱۳٦: کتب۔

ص۱۱۳۷- ۱۱۴۰: مقامات۔

ص۱۱۴۱-۱۱۵۴: کتابیات (مقدمہ وتعلیقات کے مآخذ کی سیر حاصل فہرست۔)

ڈاکٹر محمود عابدی کی اختیار کردہ روشِ تدوین جاننے کے لیے، مقدّمے میں فراہم کیے گئے ان کے بعض نکات کا خلاصہ بے حد مفیدِ مطلب ہوگا۔ ان کی روشنی میں آگے کچھ معروضات پیش کرنے میں آسانی ہوگی۔

ڈاکٹر محمود عابدی نے کشف المحجوب کی درج ذیل اہم اشاعتیں پیش نظر رکھی ہیں:
طبعِ سمرقند (۱۹۱۲ء)، طبعِ لینن گراڈ یا ژوکوفسکی ایڈیشن (۱۹۲٦ء) اور اس کی ایرانی اشاعت (۱۹۵۷ء)، کتب خانۂ مولوی محمد شفیع کے ایک نسخے کی بنیاد پر حامد ربانی کی طبعِ لاہور (۱۹٦۷ء) اور طبعِ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، اسلام آباد (۱۹۹۵ء)۔ کشف المحجوب کی پہلی اشاعتِ لاہور (۱۸۷۴ء) انھیں فراہم نہیں ہوسکی تھی۔

ڈاکٹر عابدی نے وی آنا کا وہی نسخۂ کشف المحجوب اپنی تدوین کی بنیاد بنایا جسے ژوکوفسکی (م۔ ۱۹۱۸ء) نے اپنی اشاعت کی اساس قرار دیا تھا۔ وی آنا کا مذکورہ مخطوطہ مسعود صوفی نامی کسی پڑھے لکھے اور صاحبِ ذوق کاتب کا تحریر کردہ ہے۔ اس کی تاریخِ کتابت موجود نہیں ہے۔ ژوکوفسکی نے اسے نویں صدی ہجری سے متعلق قرار دیا تھا جب کہ عابدی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں زیادہ امکان یہ ہے کہ مذکورہ مخطوطے کی کتابت آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی۔ اس حوالے سے عابدی صاحب کے استدلال میں خاصا وزن ہے (ص پنجاہ و هشت) اور ان کی رائے قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ژوکوفسکی کی تقلید میں بیشتر نسخہ

Marfat.com

شناس اسے نویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہی قرار دیتے چلے آئے تھے۔ ڈاکٹر عابدی کے بہ قول انھیں جتنے بھی دیگر نسخے دست یاب تھے، وہ سب بعد کے بھی تھے اور نسبتاً زیادہ مغلوط بھی۔ چنانچہ انھوں نے اسی نسخۂ وی آنا کو اپنی تدوین کی اساس قرار دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے چار اہم نسخوں سے بھی استفادہ کیا جن میں سے ایک پیرس، دو تاشکند اور ایک اسلام آباد میں ہے۔ بعض مقامات پر تین دیگر متاخر نسخوں سے بھی رجوع کیا گیا جن میں سے ایک لینن گراڈ کا اور دو تاشکند کے ہیں۔

وی آنا میں موجود مسعود صوفی کے کتابت کردہ مخطوطے میں کئی مسائل موجود ہیں۔ کاتب نے اس نسخے کا کم از کم دو اور نسخوں سے مقابلہ کیا، اپنے تئیں اغلاط کی درستی بھی کی اور حواشی یا بین السطور میں اختلافِ نسخ نقل کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ بعد میں کسی ایک شخص یا زیادہ افراد نے مختلف قلموں سے حواشی میں اضافے یا تبدیلیاں بھی کیں جنھیں دوسرے نسخے کی روایت کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے (ص شصت)۔ عابدی اس کاتب کی دقتِ نظر اور محنت کو خوب سراہتے ہیں۔

ڈاکٹر عابدی ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہیں کہ ژوکوفسکی نے حواشی اور بین السطور میں درج تمام الفاظ اور عبارات بہ راہِ راست اپنے متن میں شامل کی ہیں اور اختلافِ نسخ کا کوئی حوالہ بھی نہیں دیا جس کے نتیجے میں قطعاً اندازہ نہیں ہوتا کہ نسخۂ اساس کی اصل روایت کون سی ہے اور اختلافی الفاظ و عبارات کون سی ہیں (ص شصت و یک)۔ تدوینِ مخطوطات کے مسلّمہ اصولِ تحقیق کی روشنی میں تو یہ صورتِ حال ژوکوفسکی کے مدوّنہ متن کی صحت و اعتبار پر سوالیہ نشان لگا دیتی ہے جسے اب تک معتبر ترین طبع سمجھا جاتا رہا ہے لیکن شاید ژوکوفسکی کی اس ''مجتہدانہ خطا'' کا سبب، متن کی زیادہ سے زیادہ درست اور رواں صورت تک پہنچنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

نسخۂ وی آنا کے کاتب مسعود صوفی کی تمام تر سعی و کوشش کے باوجود، نسخے میں اچھی خاصی اغلاط باقی رہ گئی ہیں۔ کئی مقامات پر عبارات ناقص یا مغشوش ہیں۔ اس کا اندازہ طبعِ عابدی کے حواشی دیکھ کر بہ خوبی ہو سکتا ہے۔ عابدی صاحب کو اوسطاً ہر صفحے پر دو تین بار دوسرے نسخوں کی روایت کو شاملِ متن کرنا پڑا اور اگر وہ نسخۂ اساس پر ہی کامل انحصار کرتے تو عبارت مبہم یا غلط رہ

Marfat.com

جاتی۔ ڈاکٹر عابدی نے خود بھی متعدّد بار اس نسخے کے ساقطات کا ذکر کیا ہے، اس کی مغلوط عبارات کی نشان دہی بھی کی ہے اور اس کی روایت بار بار ترک بھی کی ہے مثلاً ص ۴۱۲ پر دس میں سے آٹھ بار دیگر نسخوں کی روایت کو نسخۂ اساس کی روایت پر فوقیت دی گئی ہے، ص ۴۱۳ پر سات میں سے پانچ بار اور ص ۴۶۲ پر پندرہ میں سے آٹھ بار اساس کی روایت قبول نہیں کی گئی۔ ایسے میں نسخۂ اساس قرار دینے کی کوئی ضرورت تھی؟ اور کیا اس صورتِ حال میں نسخۂ اساس کی کچھ تخصیص باقی رہ جاتی ہے؟ نیز کیا عابدی صاحب کی تدوین التقاطی اور امتزاجی نہیں قرار پائے گی جس میں نسخۂ اساس کی تعیین اور اس کو خصوصی فوقیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی؟

ڈاکٹر محمود عابدی نے دست یاب قلمی نسخوں کی ماہرانہ جانچ پرکھ کے بعد نسخۂ وی آنا کی قدامت، اصالت اور صحّت کے پیشِ نظر اسے بنیادی نسخہ قرار دیا (ص شصت و نُہ) اور تدوین کے ضمن میں یہ طریقۂ کار اختیار کیا:

۱۔ نسخۂ اساس کی روایت، جیسی بھی ہے، متن میں رکھی گئی۔ کہیں کہیں حاشیے پر درج اختلاف کو درست جانتے ہوئے متن میں جگہ دی گئی اور نسخۂ اساس کی روایت کو دیگر نسخوں کے اختلاف کی طرح حاشیے میں لکھ دیا گیا۔

۲۔ نسخۂ اساس سے انحراف صرف اسی صورت میں جائز سمجھا گیا جب اس کی روایت واضح اور مسلّمہ طور پر غلط پائی گئی۔ (متن کے تقریباً ہر صفحے پر اس کی مثالیں موجود ہیں)۔

۳۔ نسخۂ اساس کی روایت صریح غلط پائی گئی تو دیگر چار نسخوں کی طرف رجوع کیا گیا۔ بعض اوقات ان کے علاوہ کچھ اور نسخے بھی دیکھے گئے۔ ٹھیک ہونے کا یقین کر لینے کے بعد نسخوں یا چند نسخوں کی متفقہ روایت کو متن میں جگہ دی گئی اور روایتِ نسخۂ اساس کو حاشیے میں۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ کسی ایک نسخے کی روایت کو ترجیح دینا پڑی اور باقی تمام نسخوں کے اختلافات حاشیے میں دیے گئے۔

Marfat.com

۴۔ دوسرے نسخوں کے اختلافات کثرت سے ہیں اور ان میں تنوّع ہے۔ یہ تمام اختلافات درج نہیں کیے گئے بلکہ صرف انھی اختلافات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے قابلِ ذکر تھے مثلاً اساس کے مقابلے میں زیادہ قابلِ قبول تھے، ان سے متن کی تائید ہوتی تھی، کوئی مترادف سامنے آتا تھا یا وہ متنی ابہام دور کرنے میں معاون تھے۔ اگر تمام متنوّع اختلافات درج کیے جاتے تو یہ ضخیم کتاب اور زیادہ بھاری بھرکم ہو جاتی اور اس کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ ہوتا۔

۵۔ املاء کی جدید اور رائج روش اختیار کی گئی تا کہ ہر طرح کے قارئین کو سہولت ہو (صص شصت ونُہ، ہفتاد)۔

ڈاکٹر محمود عابدی کا فاضلانہ مقدّمہ (صص دوازدہ - ہفتاد) اپنی جامعیّت، استناد اور خوب صورت نثر کے لحاظ سے ہجویری شناسی میں ایک یادگار اضافہ ہے۔ اس مقدّمے کے کچھ حصّوں کا خلاصہ مقدّمۂ درویش گنج بخشکی صورت میں شائع ہو چکا ہے (ص سیزدہ)۔

مقدے کا آغاز ''حضرت ہجویری کے بارے میں منابع'' سے ہوتا ہے۔ پھر حضرتِ ہجویری کے احوال کے حوالے سے مربوط معلومات فراہم کرنے کی سعیِ مشکور کی گئی ہے۔ یہ بحث بہت اہم اور مفید ہے۔ بعض محقّقین نے اس بحث کے کچھ مطالب سے اختلاف بھی کیا ہے (۸) جو غور و فکر کا متقاضی ہے۔ حضرت ہجویری کے مشائخ و اساتذہ میں حضرت ابوالفضل ختّلیؒ، شیخ ابوالقاسم کرگانیؒ، ابو العباس شقّانیؒ، مظفر حمدانؒ اور ابوالقاسم قشیریؒ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ہجویریؒ کی تصانیف کا تعارف بھی خاصے کی چیز ہے۔ اس مختصر اور جامع بحث میں کئی ایسی معلومات ہیں جو یقیناً کئی اہلِ علم و تحقیق کے لیے نئی ہیں۔ کشف المحجوب سے پہلے کے متونِ عرفانی میں اللّمع فی التصوّف، طبقات الصّوفیہ اور رسالۂ قشیریّہ کا تعارف اور کشف المحجوب پر ان کے اثرات کا محقّقانہ بیان ملتا ہے۔ کشف المحجوب کے بعد اور اس سے استفادہ کر کے لکھی جانے والی کتابوں

Marfat.com

میں تذکرۃ الاولیاءِ عطّار، فصل الخطابِ خواجہ محمد پارسا اور نفحات الانسِ جامی کو متعارف کرایا گیا ہے۔

کشف المحجوب پر سیر حاصل بحث میں، اس کے مختلف ابواب وفصول کے منابع بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بحث ڈاکٹر محمود عابدی کے علمی و تحقیقی تبحر کا خوب صورت نمونہ ہے۔ تاریخِ تالیفِ کشف المحجوب کے ضمن میں بھی خوب دادِ تحقیق دی گئی ہے۔ اس باب میں ان کا منطقی اسلوبِ استدلال متاثر کن ہے۔ اس کے بعد کشف المحجوب کی نثر اور اس کے لفظی و دستوری تنوع کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ کشف المحجوب کی نثر اور اس کی لسانیاتی خصوصیات پر ملک الشعراء بہار (۹) کے بعد اہم ترین کام محمود عابدی کی یہی تحریر ہے۔ نثرِ کشف المحجوب پر ایسی ہمہ جہت عالمانہ و محققانہ بحث شاید ہی اس سے پہلے کی گئی ہو۔ اس خاص موضوع پر کچھ اضافہ اب صحیح معنوں میں ایک مشکل کام ہوگا۔

کشف المحجوب کے حاشیے، کتاب کے تراجم اور اس کی مختلف اہم اشاعتوں کا تعارف بھی احسن طریقے سے کروایا گیا ہے۔ بلکہ عبدالغفور قادری کا فارسی حاشیۂ کشف المحجوب (۱۰) اس مقدّمے میں پہلی بار متعارف کروایا گیا ہے اور ڈاکٹر عابدی نے تعلیقات میں بھی جا بہ جا اس سے بہ خوبی استفادہ کیا ہے (ص ۶۱۳، ۶۱۵، ۶۱۹ ....)۔ اس کے علاوہ زیرِ استفادہ قلمی نسخوں کے کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ نسخۂ اساس کا تفصیلی ذکر ہے اور اس کے رسم الخط کی خصوصیات بھی عمدگی سے مذکور ہیں۔ مقدّمے کے آخر میں فاضل محقّق نے اپنے تدوینی طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے۔ روشِ تصحیح کے ذیل میں اختلافِ نسخ دکھانے کے لیے تین صفحے کا ایک نمونہ دیا گیا ہے جو بہ جائے خود ابتکاری اور سزاوارِ ستائش ہے۔ پورے مقدّمے میں حواشی اور منابع کے ذکر کا دقیق اہتمام کیا گیا ہے۔

اتنی ضخیم کتاب میں مشینی کتابت کی غلطیاں ناقابلِ یقین حد تک کم ہیں۔ اس سے ڈاکٹر محمود عابدی کی طبعی جزرسی اور دقّتِ نظر ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم اِکّادُکّا مقامات پر کچھ مسائل باقی رہ

Marfat.com

گئے ہیں مثلاً:

مقدّمے کے ص بیست و سہ کے دوسرے حاشیے میں ابو منصور معمر اصفہانی کے ضمن میں تعلیقات کے ص ٦٧٦ کی طرف رجوع کرنے کا کہا گیا ہے جب کہ ان کا ذکر اس صفحے پر نہیں، ص ٦٦٨ پر ہے۔

ص بیست و چہار پر کتاب فنا و بقا پر بات کرتے ہوئے متن کے صص ١٧، ٢٠٧ اور تعلیقات کے ص ٦٨٠ کی طرف رجوع کروایا گیا ہے جب کہ مذکورہ تینوں صفحات پر متعلّقہ مباحث موجود نہیں ہیں۔

ص بیست و ہفت پر ابو نعیم اصفہانی کی مشہور کتاب حلیۃ الاولیاء، ''حیلۃ الاولیاء'' بن گئی ہے اور ص پنجاہ و چہار کے پہلے حاشیے میں منزوی کی صورت ''منزی'' ہو گئی ہے۔

ص پنجاہ و پنج اور پنجاہ و شش پر کشف المحجوب کے تراجم کے ضمن میں اس کے ترکی، پنجابی اور سندھی تراجم کا ذکر موجود نہیں ہے۔

متنِ کشف المحجوب (صص ١-٦١٠) میں کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں شاید حاشیے میں دی گئی روایت کا متن میں اندارج بہتر ہوتا۔ بیشتر صورتوں میں یہ اپنے اپنے ذوق اور سلیقے کی بات ہے لیکن ایسے کئی مسائل ایک مخدوش نسخۂ اساس سے غیر ضروری حد تک وفادار رہنے کی وجہ سے پیش آئے ہیں۔ متن میں عربی عبارات نسبتاً جلی خط میں لکھنے کا اہتمام نظر آتا ہے اور یہ صورت ص ٣٥ تک برقرار رہتی ہے۔ ص ٣٦ سے کہیں ایسا کیا گیا ہے، کہیں رہ گیا ہے۔ پوری کتاب میں یکساں التزام رہتا تو بہتر ہوتا۔

ایک اور اہم نکتہ ضرور بیان ہونا چاہیے کہ شیخ احمد بن محمد نوریؒ کی کنیت ابوالحسن نہیں، ابوالحسین ہے۔ ڈاکٹر عابدی تعلیقات میں ص ٦٤٤ پر لکھتے ہیں کہ حضرت ہجویریؒ نے پوری کتاب میں شیخ کی کنیت ابوالحسن ہی لکھی ہے! اس میں یقینی طور پر کاتبوں کے تصرّفات کی کارفرمائی ہے جس کا عابدی صاحب نے کئی جگہ پر ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ خود ڈاکٹر عابدی نے

Marfat.com

بھی پوری کشف المحجوب میں اسے ''ابوالحسن'' ہی برقرار رکھا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ پورے متن میں اس کی تصحیح کر دیتے اور تعلیقات میں وضاحت فرما دیتے، جیسا کہ انھوں نے بعض اور اشکالات کے ضمن میں کیا بھی ہے (ص ۷۳۴)۔

تعلیقات و توضیحات (صص ۲۱۳-۹۳۲) کا حصّہ ڈاکٹر محمود عابدی کی دس سالہ تحقیقات کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی فاضلانہ تعلیقات اور تشریحی شذرات بے حد مفید اور قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں اور فکر و تحقیق کے لیے نئے سے نئے در کھولتے چلے جاتے ہیں (۱۱)۔ یہ تعلیقے رنگا رنگ ہیں۔ متن میں وارد ہونے والے رجال، اماکن، کتب، اقوال، اشعار، اصطلاحات، الفاظ و تراکیب، عربی عبارات کا فارسی ترجمہ اور کئی اہم مباحث پر لکھی جانے والی یہ توضیحات کشف المحجوب کی صحیح تفہیم میں مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ اس سے ڈاکٹر محمود عابدی کی وسعتِ مطالعہ اور جامعیّتِ علم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ تعلیقات کے بعض نکات کی طرف جن احباب نے توجّہ دلائی اور معاونت کی، عابدی صاحب نے محقّقانہ دیانت داری سے، بہ اہتمام ان کا شکریہ ادا کیا ہے (صص ۶۱۷، ۶۲۹، ۷۵۳...)۔

ڈاکٹر محمود عابدی ص ۶۱۶ پر لکھتے ہیں کہ تمام آیات کا فارسی ترجمہ کشف الاسرار سے لیا گیا ہے جب کہ متعدد مقامات پر صرف تفسیرِ طبری کا ترجمہ دیا گیا ہے اور کہیں کہیں کشف الاسرار کے ساتھ طبری کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ (صص ۶۲۷، ۶۳۱، ۸۳۰.....)۔

تعلیقات کے ضمن میں ڈاکٹر عابدی کی پسندیدہ روش یہ رہی ہے کہ وہ موضوع کی تائید میں معروف اشعار، ضرب الامثال، اقوال اور صوفیہ کی حکایات کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں خواجہ حافظ شیرازیؒ کے اشعار سے بہ کثرت برمحل استفادہ کیا گیا ہے۔ اس اہتمام سے تعلیقات کی تحقیقی اہمیت کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی و ذوقی اہمیت بھی دو چند ہو گئی ہے۔ البتہ ایک طائرانہ مطالعے میں بیس کے قریب ایسی تعلیقات سامنے آئی ہیں جن میں بعض مشہور اور بالکل

Marfat.com

سامنے کے نکات بھی جگہ نہیں پا سکے (صص ۶۲۰، ۶۴۳، ۶۶۱، ۷۰۱، ۷۰۶...) لیکن سیکڑوں جامع تعلیقات کے مقابلے میں یہ تعداد بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہ ہرطور چوں کہ یہ ایک طویل مبحث ہے، اس لیے اس پر ایک جداگانہ مضمون لکھا گیا ہے (۱۲)۔

ان معروضات کی روشنی میں قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ طبعِ عابدی کشف المحجوب کی اہم ترین اشاعت ہے اور مستقبل میں تحقیق و ترجمہ کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

❁ ❁ ❁

حوالے اور حواشی

۱۔ اس موضوع پر یہ فارسی مضمون بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:
معین نظامی، دکتر محمود عابدی و تصحیحِ کشف المحجوبِ ہجویری، اورینٹل کالج میگزین، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ج ۸۰، عدد ۳-۴، عددِ مسلسل: ۲۹۷، ۲۹۸، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، صص ۸۳-۸۸۔

۲۔ معین نظامی، دکتر محمود عابدی و تصحیح کشف المحجوبِ ہجویری، ص ۸۴۔

۳۔ جامی، نورالدین عبدالرحمان، نفحات الانس من حضرات القدس، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمود عابدی، تہران، مؤسسۂ اطلاعات، طبعِ اوّل، ۱۳۷۰ش/ ۱۹۹۱ء۔

۴۔ لاری، رضی الدّین عبدالغفور، تکملۂ نفحات الانس، بہ تصحیح و توضیحِ دکتر محمود عابدی، کرج، انتشاراتِ
جام گل، ۱۳۸۰ش/ ۲۰۰۱ء، ۲۰۷ص؛ تکملہ کی پہلی اشاعت علی اصغر بشیر ہروی کے اہتمام سے ۱۳۴۳
ش/۱۹۶۴ء میں انجمنِ جامی، کابل سے ہوئی تھی۔ محمود عابدی کا کام کئی اعتبار سے اشاعتِ اوّل سے بہتر

Marfat.com

ہے۔ڈاکٹر عابدی کی مدوّنہ نفحات کے پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

۵۔ عابدی، محمود، تعلیقاتِ نفحات الانس، ص ۸۱۲۔

۶۔ عابدی، محمود، درویشِ گنج بخش، گزیدۂ کشف المحجوب، تہران، انتشاراتِ سخن، ۱۳۷۶ ش/ ۱۹۹۷ء۔

۷۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

معین نظامی، درویشِ گنج بخش، ایک مطالعہ، اورینٹل کالج میگزین، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ج ۷۹، عدد ۳-۴، عددِ مسلسل: ۲۹۳ - ۲۹۴، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۴ء، صص ۱۰۳۔ ۱۱۰۔

۸۔ ظہور احمد اظہر، سیّد علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) کے پیرو مرشد: شیخ ابوالفضل ختلیؒ، لاہور، شعبۂ کرسیِ ہجویری، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء، صص ۵۵، ۷۰، ۷۲، ۷۵، ۷۷، ۷۸۔

۹۔ کشف المحجوب کی نثر کے حوالے سے پہلا سنجیدہ تحقیقی کام ملک الشعراء بہار نے انجام دیا ہے:

بہار، محمد تقی، سبک شناسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۷۵ ش/ ۱۹۹۶ء، ج ۲، صص ۱۸۷-۱۹۷۔

بہار نے کشف المحجوب اور تذکرۃ الاولیاء کی نثر کا موازنہ بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر عابدی نے بہار سے استفادہ بھی کیا ہے اور اس میں خاطر خواہ اضافات بھی کیے ہیں۔

۱۰۔ حاشیۂ عبدالغفور پر راقم اور ڈاکٹر شعیب احمد، شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج لاہور کا ایک مفصّل اردو

مقالہ زیرِ اشاعت ہے۔ شعبۂ فارسی کی پی ایچ ڈی سکالر محترمہ فضیلت زہرا، ڈاکٹر شعیب احمد کی راہ نمائی میں اس پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہی ہیں۔

۱۱۔ اظہر، ظہور احمد، سیّد علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) کے پیرو مرشد: شیخ ابوالفضل ختلی، ص ۶۹۔

۱۲۔ یہ ابھی شائع نہیں ہوا۔

Marfat.com

کشف المحجوب: پنجابی ترجمہ

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد *

سرزمین پنجاب اس اعتبار سے خوش نصیب ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی یہاں صوفیوں، درویشوں اور اللہ والوں کا بسیرہ رہا ہے۔ ان میں وہ اللہ والے بھی ہیں جن کا تعلق اسی دھرتی سے تھا اور ان میں بے شمار وہ صوفیاء بھی شامل ہیں جو تبلیغی و روحانی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے دوسرے علاقوں سے پنجاب میں تشریف فرما ہوئے۔ ان میں سلطان الاولیا حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخشؒ کا نام نامی اسم گرامی سب سے نمایاں ہے۔ یہ خدارسیدہ افراد اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ روئے زمین کا مالک خدا ہے اور انسان اُس کا خلیفہ۔ اُن کی نظر میں اللہ اور اُس کے بندے کا رشتہ اس قدر پختہ ہے کہ اُس کے سامنے کسی بھی طرح کی جغرافیائی حد بندی ممکن نہیں۔ سچ تو یہی ہے کہ جب ایک کامل درویش کے سامنے دنیا ایک رائی کے دانے کے برابر ہو، تو اُس کی کون سی جغرافیائی تقسیم ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اُس رائی کے دانے کا کون سا مشرق و مغرب اور جنوب و شمال ہوگا۔ اُسے جدھر سے بھی دیکھیں ایک جیسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ صوفی سنت اور اللہ والوں کی سوچ بھی مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ وہ تو اپنی ذات میں سے بھی گزر جاتے ہیں۔ وہ جہاں قدم رکھیں وہی ان کا وطن اور جہاں جس گھڑی نفی اثبات کا عرفان حاصل ہو جائے وہیں اُن کی ذات کی معراج۔ ایسے ہی عرفانی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید وارث شاہ نے کہا تھا:

---

* پروفیسر، صدر شعبہ پنجابی، اورینٹل کالج، لاہور

Marfat.com

وطن دماں دے نال تے ذات جوگی، سانوں سا ک قبیلڑا خویش کیہا
جیہڑا وطن تے ذات ول دھیان رکھے، دنیادار ہے اوہ درویش کیہا (۲)

یعنی درویش کا وطن وہی ہے جہاں اُسے زندگی نصیب ہے۔ اُس کی پہچان رشتہ و خاندان نہیں بلکہ ''درویشی اور فقیری'' ہے۔ جو اپنے آپ کو وطن اور ذات کے حصار میں مقید جانے وہ درویش نہیں خالص دنیادار ہے۔

جب یہی عرفانی نکتہ علامہ اقبال پر کھلا تو انہیں ''ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا'' کی جگہ کہنا پڑا ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' مطلب یہ کہ اللہ والوں کی نظر رنگ روپ، ذات پات، قبیلہ و خاندان، وطن اور علاقے پر نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ جغرافیائی حدود سمیت لسانی تعصب کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کی ذات صرف اور صرف ''انسان'' اور ان کا منصب ''انسانیت'' اور ذمہ داری انسانیت کی خدمت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ہزاروں میل کا سفر بھی کرنا پڑے تو کرتے ہیں۔ ان کا یہ سفر بھی ان کی ذاتی خواہش یا ارداہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ رب العزت کے حکم ''سیروفی الارض'' کی تکمیل کی عملی تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ والوں کے دل میں انسانیت کی خدمت اور اللہ کے بندوں سے بے لوث پیار کی دولت سمائی ہوتی ہے اور وہ یہ دولت ہر آنے والے کو بغیر کسی امتیاز کے پورے خلوص کے ساتھ مفت عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا اور اللہ والوں کے آستانوں پر ہر رنگ، ہر نسل، ہر قبیلے، ہر خاندان، ہر علاقے سے آنے والا نیک و بد ایک ہی صف میں بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ ''صاحبِ نظر'' کی نگاہ میں سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اسی لیے پنجاب کے معروف صوفی حضرت بابا بلھے شاہؒ نے اسے ''سب اکو رنگ کپاہیں دا'' (۳) کہا ہے۔ درویش ہر آنے والے طالب پر لطف و کرم کی ایک جیسی نوازش کرتا ہے۔ مگر سیراب ہر کوئی اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہوتا ہے۔ پروفیسر شریف کنجاہی مرحوم نے بالکل سچ کہا تھا:

Marfat.com

ہر کوئی اوس شرابوں جیہڑی صاحب نظر پلاوے
اپنے اپنے ظرف مطابق کھیوا ہوندا جاوے

یعنی صاحبِ نظر تو شرابِ محبت ہر کسی کو پلاتا ہے مگر ہر کوئی اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔اس شعر میں بیان کی گئی سچائی اور شریف کنجاہی کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ آج ان کا یہ شعر سلطان الاولیا حضرت داتا گنج بخشؒ (وفات ۴۶۵ھ) (۴) کی بارگاہ اقدس میں نہ صرف قبولیت کی سند حاصل کر چکا ہے بلکہ سرکار کے سرہانے برآمدے میں خوبصورت انداز میں لکھا ہوا بھی نظر آتا ہے۔اس شعر سے جو بات صاف سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس شعر میں ''صاحبِ نظر'' کا ذکر کیا گیا ہے۔اُس کی نظرِ التفات سے ہر آنے والے کو علم و عرفان،معرفت، سچائی، خلوص، امن و سکون اور محبت کی شراب مسلسل عطا کی جارہی ہے۔اور کسی بھی لمحے اس میں ذرا بھر کمی نہیں ہوتی۔حقیقت و عرفان کا یہ میخانہ یقیناً داتا ہجویریؒ کا آستانہ ہے، جو آج سے قریباً ساڑھے نوسو سال پہلے لاہور میں قائم ہوا۔کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے اس ساقی کی نظر سے براہِ راست فیض اُٹھایا اور ظاہر و باطن کو یکجا کر کے اپنی ذات کی حد سے نکل کر اُس بے حدو بے حساب ذات میں غرق ہو کے ہمیشہ کی زندگی پا لینے کا طریقہ اور سلیقہ سیکھ کر اپنے آپ کو یوں امر کر لیا کہ آج مخلوقِ خدا اُن کے آستانوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں فیض کا جو سلسلہ جاری کیا، وہ کسی نہ کسی روپ میں آج بھی تصوف کے ہر سلسلے میں جاری ہے۔

صوفیاء کا فیض ہمیشہ دو طریقوں سے جاری رہتا ہے۔ایک ظاہری طریقے اور دوسرے باطنی طریقے سے۔داتا صاحبؒ وہ عظیم ہستی ہیں جن کا فیض دونوں طریقوں سے جاری ہے۔ آپ نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنے آپ کو اپنی عظیم تصنیف کشف المحجوب کے روپ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔اس کتاب کی بنیاد اُس علم و عرفان پر رکھی

Marfat.com

گئی ہے جو حضرت داتا گنج بخشؒ جیسی عظیم ہستی کی پہچان تھا۔ آپ نے جہاں باطنی تعلیم کے لیے حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ (۵) کی قدم بوسی کا اعزاز حاصل کیا وہاں ظاہری علوم کی پیاس بجھانے کے لیے شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کہستان، آذر بائیجان، طبرستان، خوزستان، خراسان اور ماورالنہر کے اسلامی صوبوں کا طویل سفر طے کیا۔ یوں لگتا ہے آپ نے علمی تشنگی دور کرنے کے لیے اسلامی دنیا کے کونے کونے کی سیر کی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے خراستان میں رہتے ہوئے کم و بیش ۳۰۰ بزرگوں، درویشوں اور علماء کی مجالست سے فیض حاصل کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے کشف المحجوب میں جس عقیدت و احترام سے ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے جن کی صحبت میں بیٹھ کر آپ نے ظاہری و باطنی علوم میں کسب فیض کیا، اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے ظاہری اور باطنی علم کے مقابل دنیا کے بڑے بڑے سمندر بھی عاجز ہیں۔ یوں یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ آپ نے اپنا یہ علمی و روحانی سرمایہ کشف المحجوب میں اس خوبصورت انداز سے قلمبند کیا ہے کہ کوزے میں دریا نہیں بلکہ کوزے میں سمندر محسوس ہوتا ہے۔ آپ کے اس علمی و روحانی فیض کے سرچشمے کبھی خشک ہوئے ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے ہر عہد کو یہ کتاب قرآن پاک اور احادیث کے بعد بہترین رہنما کا کام دیتی آئی ہے۔ اگر ایک جانب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے داتا صاحبؒ کے جاری فیوض و برکات سے فیض اُٹھاتے ہوئے آپ کے حضور یوں گلہائے عقیدت پیش کیے:

گنج بخشِ فیضِ عالم ، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

تو اسی لڑی کے ایک اور جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے آپ کی تصنیف لطیف کا مقام و مرتبہ یوں گنوایا:

''میں نے کشف المحجوب کا تمام و کمال مطالعہ کیا ہے یہ ایسی کتاب ہے کہ

Marfat.com

اگر کسی کو مرشد نہ ملے تو اسے پڑھنے سے مل جائے گا۔" (٦)

یہ تو تھی رائے ایک کامل درویش کی اب ذرا ایک دنیا دار درویش کی رائے بھی ملاحظہ کیجیے۔ شہزادہ دارالشکوہ کا کہنا ہے کہ یہ کامل ہدایت کی کتاب ہے۔ تصوف کی مایہ ناز کتب میں سے فارسی میں اس جیسی کتاب کبھی نہیں لکھی گئی (۷)۔

دو مختلف طبقات کے نمائندہ افراد کی رائے سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کشف المحجوب کی بنیاد اصل میں قرآن مجید کے احکامات، رسول پاک ﷺ کی احادیث، علم الکلام، علم البلاغتہ، علمِ تصوف اور علمِ تفسیر پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس کتاب کو ایک خاص احترام اور مقام حاصل رہا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم بھی ہوتے رہے ہیں۔ داتا صاحبؒ نے یہ کتاب اُسی فارسی میں تحریر فرمائی جو ان کے اپنے علاقے کی زبان تھی۔ بلاشبہ یہ کتاب لاہور میں بیٹھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ حقیقت بھی جھٹلائی نہیں جاسکتی کہ یہ کتاب دنوں یا مہینوں میں مکمل نہیں ہوئی بلکہ کئی سال صرف ہوئے ہونگے اور اس دوران آپ نے کچھ اور کتب بھی تحریر کیں اور لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی جاری رکھا۔ عوام سے میل ملاقات اور انہیں وعظ و تبلیغ کے ذریعے حق کی سیدھی راہ دکھائی۔ نتیجتاً ان گنت لوگ مسلمان ہوئے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عوامی سطح پر یہ بات چیت فارسی میں تھی؟ جب کہ اس وقت عوام کی زبان فارسی نہیں تھی۔ ظاہری بات ہے کہ داتا صاحبؒ لاہور کی عوامی زبان میں ہی عوام الناس کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور ان کی دینی دنیاوی مشکلات حل کرتے تھے۔ لاہور آ کے یہاں کی مقامی زبان (پنجابی) سیکھ لینا داتا صاحبؒ کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ ویسے بھی ان جیسے روشن ضمیر اور پاک باطن درویش ہر قسم کے لسانی تعصب سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ صرف مخلوق کی بھلائی سوچتے ہیں۔ کوئی بھی زبان ان کے راہ کی رکاوٹ نہیں بنتی۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ کابل قندھار کے لوگ اس عہد تک لاہور یا پنجاب کی زبان سے واقف تھے۔ اس لیے بھی

Marfat.com

داتا صاحبؒ کو یہاں کی زبان سیکھنے اور بولنے میں دشواری نہیں ہوئی ہوگی۔ البتہ کشف المحجوب فارسی میں لکھنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ داتا صاحبؒ کا سارا علمی پس منظر فارسی اور عربی زبان میں پروان چڑھا تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت فارسی مسلمانوں کی علمی اور تہذیبی زبان کا درجہ اختیار کر چکی تھی۔ تیسرا یہ کہ علمی کتابیں عام طور پر اِسی زبان میں لکھی جاتی ہیں اور یہ روایت انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک یہاں جاری رہی ہے اور ان گنت ہمارے مقامی صوفی شاعروں اور ادیبوں نے اس روایت کو عروج بخشا۔ حتیٰ کہ پنجابی شعری اصناف یا رومانوی داستانوں کی سُرخیاں تک فارسی میں لکھی جاتی تھیں مگر انگریزی عہد سے حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی مجبوری کے سبب یہ روایت کمزور ہوتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس عظیم علمی اور روحانی سرمائے سے فائدہ اٹھانے کی خواہش نے کشف المحجوب اور دیگر کئی کتابوں کے مختلف زبانوں میں تراجم کی روایت کو جنم دیا، مگر عجیب بات ہے کہ بیسویں صدی کے شروع تک بھی کشف المحجوب کا کوئی مکمل اور معیاری پنجابی ترجمہ سامنے نہ آسکا۔ حالانکہ مختلف مدرسوں میں یہ کتاب آج بھی پڑھائی جاتی ہے اور استاد پنجابی میں ہی اس کا ترجمہ اور تشریح شاگردوں کو سمجھاتے ہیں۔ ان درسگاہوں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی عالم عوام کے سامنے داتا صاحبؒ کی باتیں، ان کی زبان میں ہی کرتے ہیں اور یوں بہت سی معلومات عوام تک پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اس لیے بھی پنجابی ترجمے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی صاحبِ ذوق نے یہ معرکۂ شوق طے کرلیا ہو مگر اس کی محنت منظر عام پر نہ آسکی ہو اور صرف کیڑے مکوڑوں کا رزق بن کر رہ گئی ہو۔ البتہ تلاش کے باوجود صرف پٹیالہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی کی ایک کوشش نظر آتی ہے کہ انہوں نے گُرمُکھی پنجابی میں اسکا ترجمہ کیا، مگر سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ترجمہ ہندی زیادہ اور پنجابی کم ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ بھارتی سرکار کا عمل دخل ہے۔ سرکاری دخل اندازی کے سبب ہندوستان کے تینوں پنجابی صوبوں کی تعلیمی اور سرکاری پنجابی پر

ہندی کا بہت زیادہ اثر ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ شاید ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہو رہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی کے ترجمے کی نسبت فارسی پڑھ لینا زیادہ آسان ہے۔ اس بنیاد پر ان کے ترجمے کو معیاری پنجابی ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی لیے سہل، رواں اور معیاری ترجمے کی ضرورت اپنی جگہ موجود تھی جسے شریف صابر نے بہت حد تک پورا کیا ہے۔

نقاد، مترجم اور محقق اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ بنی بنائی راہوں پر چلنا کتنا آسان اور خود نئی راہیں تلاش کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ شریف صابر صاحب کے حوصلہ و ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے یہ مشکل کام بھی سرانجام دیا اور اپنی راہیں بھی خود ہی بنائیں۔ کسی عام ادبی کتاب کا ترجمہ کرنا اور بات ہے اور تصوف کی اس کتاب کا ترجمہ جو پہلی مستند اور واحد کتاب ہو، خاص طور پر مشکل ترین مرحلہ ہے۔ یہ کام ربی توفیق، بزرگان دین کی دعا، صاحبِ نظر افراد کی حوصلہ افزائی اور پُر خلوص دوستوں کے تعاون کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کہ اس کے لیے تحقیق اور تنقید کا وسیع تجربہ بھی ہونا ضروری ہے۔ شریف صابر اپنی راہیں آپ بنانے میں اس لیے کامیاب ہو گئے کہ ان کو تصوف کی گھٹی عظیم صوفی حضرت دیوان محمد مست عمر جنیدیؒ قادری (۱۸۷۰ء۔۱۹۷۰ء) (۸) سے ملی، حافظ افضل فقیرؒ جیسے صاحبِ علم و نظر کی محفلوں میں بیٹھے۔ علاوہ ازیں مفتی ضیا الحبیب صابری، مولانا رب نواز (لائبریرین جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ، لاہور)، صوفی عبدالعزیز ڈسکوی، سید جمیل احمد رضوی (سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی)، پروفیسر ظہیر صدیقی، پروفیسر محمد رفیق، پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی، پروفیسر محمد اسلم مرحوم (سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی)، صاحبزادہ سید راشد سعید کاظمی، محمد ابدال حسین، سید ظفر حیدر شمسی، محمد ناظر ہجویری (مریدکے)، رانا عتیق الرحمان (سب انسپکٹر پولیس لاہور)، فقیر بدرالدین جنیدی قادری (مریدکے)، حاجی ظہور اللہ، چوہدری محمد صادق (صدر جہاں وارث)، حاجی غلام محمد نقشبندی (خطیب جوئیاں والا موڑ شیخوپورہ) صاحبزادہ سید محمد حسین

شاہ (کاہنہ)، چوہدری سردار محمد (نارنگ منڈی)، اقبال احمد فاروقی، پروفیسر مرزا غلام احمد بیگ، سید محمود شاہ (ایمن آباد) شیخ محمد امیر حجازی (شاہ عالمی لاہور)، ڈاکٹر عمران افضل، حافظ منور علی (بصیر پور)، ڈاکٹر خورشید رضوی (گورنمنٹ کالج لاہور)، پروفیسر خان محمد اور غلام علی (قاضی پبلکیشنز) جیسے علم پرور اور پُر خلوص دوستوں کا تعاون حاصل رہا۔

شریف صابر پنجابی علمی ادبی حلقوں میں اپنے تحقیقی اور تنقیدی کام کی وجہ سے اچھی خاصی پہچان رکھتے ہیں۔ خاص طور پر ہیر وارث شاہ مرتب کر کے انہوں نے جو شہرت حاصل کی ہے۔ اُن کے اس کارنامے پر حکومت نے ان کو پچاس ہزار نقد انعام دیا۔ اسی طرح کافیاں بلھے شاہ اور ابیات باہو کے متن اور فرہنگ کے سلسلے میں انہیں تحقیق کا جو وسیع تجربہ تھا اس کی بنیاد پر انہوں نے تصوف کے گہرے سمندر میں پورے خلوص کے ساتھ غوطہ زن ہو کر تصوف کی اصطلاحات اور رموز کو معنوی اور اصلاحی طور پر سمجھنے کا جو فائدہ اُٹھایا ہے اُس نے کشف المحجوب کے مشکل مقامات کی تفہیم اور انہیں آسان پنجابی الفاظ میں ڈھالنے میں ان کی بہت مدد اور رہنمائی کی ہے۔ تصوف اور علم کے میدان میں اس قدر اہم معرکہ سرانجام دینے کے باوجود شریف صابر کی طبیعت اور تحریر میں جو عاجزی اور انکساری دکھائی دیتی ہے وہ اصل میں کشف المحجوب کی دین ہے۔

ترجمہ نگاری باقاعدہ ایک فن ہے اور اس میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جسے مختلف زبانوں پر عبور ہو۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان دو زبانوں پر عبور ہونا ضروری ہے جن پر کام کرنا مقصود ہو اور ساتھ ہی ساتھ علمِ بیان اور علمِ کلام پر بھی کچھ دسترس ہو۔ مترجم تحریر اور قاری کے مزاج سے بھی واقف ہو۔ علاوہ ازیں پوری صحت کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا سلیقہ بھی جانتا ہو۔

ہمارے ہاں عام طور پر عربی، فارسی کتب سے مقامی زبانوں میں ترجمہ کرنے کا ایک آسان کلیہ یہ ڈھونڈ لیا گیا ہے کہ اردو یا انگریزی ترجمہ سامنے رکھا اور اس کو براہ راست اپنی زبان

Marfat.com

میں منتقل کر دیا۔ اسکے لیے مترجم اصل کتاب یا متن کو دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے ۔ پنجابی میں بھی اس نوعیت کے بے شمار تراجم مل جاتے ہیں مگر ایسے تراجم کی نہ تو کوئی علمی حیثیت ہوتی ہے اور نہ ہی ادبی۔

شریف صابر کے اس ترجمے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کسی ایک فارسی نسخے پر مکمل بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ متعدد نسخے سامنے رکھ کے پہلے اصل متن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور پھر اس کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے حوالوں کی چھان پھٹک پوری محنت خلوص اور دیانتداری سے کی گئی ہے۔

متعدد مختلف متون کی موجودگی میں مترجم کے لیے کسی ایک اساسی نسخے کے حق میں فیصلہ کرنا بہت دشوار عمل ہوتا ہے اس کے لیے شریف صابر نے نسخہ تہران، نسخہ سمرقند، نسخہ لاہور (حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی والا)، نسخہ لاہور (عشرت پبلشنگ، شیخ الٰہی بخش جلال الدین) اور نسخہ مرتبہ پروفیسر ژوفسکی سامنے رکھا ہے۔ یوں فارسی متن کے فرق کے علاوہ تفہیم میں بھی آسانی کے لیے مولوی فیروز دین، پروفیسر عبدالحمید یزدانی، مولانا عبدالروف فاروقی، ڈاکٹر سید محمد فاروق قادری، مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، مولانا فضل الدین گوہر، مولانا محمد الطاف نیروی، مولانا محمد حسین کے اردو تراجم اور ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی کے گورمکھی پنجابی ترجمے کے علاوہ نکلسن کے انگریزی ترجمے سے بھی مدد لی گئی ہے، مگر بنیادی طور پر نسخہ تہران کو ہی سامنے رکھا گیا ہے۔

اچھے ترجمے کی ایک خوبی یہ بھی شمار کی جاتی ہے کہ ترجمہ بامحاورہ اور رواں ہو۔ شریف صابر کا ترجمہ بہت حد تک اس خوبی پر پورا اُترتا ہے مگر کہیں کہیں لفظی ترجمے کا رنگ غالب آ گیا ہے طوالت سے بچنے کے لیے یہاں چند ایک مثالیں ہی کافی ہونگی۔ مثلاً داتا صاحب علم کے باب میں فرماتے ہیں:

"وبداں کہ علم بسیار است و عمر کوتاہ و آموختن جملہ علوم بر مردم فریضہ نہ۔

Marfat.com

چُوں علمِ نجوم وطب وعلم حساب وصنعتہای بدلیع وآنچہ بدین ماند۔ بہ جُز این علوم ہر یک بدان مقدار کہ بہ شریعت دارد۔ از نجوم مر شناختِ وقت را اندر شب وطب مر احتمارا۔"

پنجابی ترجمہ: جان لوو کہ علم چوکھا اے تے عمر تھوڑی اے تے بندیاں لئی ساریاں علماں دا سکھنا فرض نہیں۔ جیویں کہ نجوم، ڈاکٹری، حساب تے دنیا دیاں اچرج کاریگریاں بارے علم یا اجہیاں علماں نال رلدے ملدے علم۔ ہاں ایہناں علماں وچوں اونی کُو مقدار دا سکھنا ضروری اے جتا کُو شریعت نال تعلق رکھدا ہووے۔ خاص کر کے رات نوں ویلے دی سنجھان لئی ستاریاں دا علم تے طب ڈاکٹری دا اونا کُو علم جیہدے نال سریر دا بچا کیتا جا سکے۔(۹)

تصوف کی حقیقت سے متعلق داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب کے تیسرے باب میں محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ "التصوف خُلقٌ:

تصوف نیکوخوئی باشد، ہر کہ نیکو خُوتَر وی صوفی تر۔ وخوی نیکو بر دو گونہ باشد: یکے با خَلق و دیگر با حق۔ نیکوخوئی با حق، رضا باشد بہ قضای وی۔ و نیکوخوئی با خلق، حملِ ثقلِ صحبت ایشاں برای حق۔ و ایں ہر دو خود بہ طالب آں باز گردد۔ وحق را تعالیٰ صفت استغنا است۔ از رضای طالب وسخط طالب۔

واین ہر دو صفت، اندر نظارہ وحدانیت وی بستہ است۔"

پنجابی ترجمہ: تصوف خُلق اے تے جنا کُو کوئی چنگی خو وِلوں ودھیا ہویا اے اونا ای اوہ تصوف وچ ودھیا ہووے گا تے چنگی خُو دو طرح دی ہوندی اے۔ اک تے خلقت نال تے دوجی حق تعالیٰ نال چنگی خُو رکھنا۔ اوہدے کیتے فیصلے تے راضی رہنا ہووے گا تے خلقت نال چنگی خو ایہہ وے کہ بندہ حق تعالیٰ دی رضا لئی لوکاں دی بیٹھک بہنی دا بھار چکی رکھے تے ایہہ دوویں چنگیاں خوواں اپنے آپ رِجھواناں نوں ای فائدہ پہنچاندیاں نیں۔ خدا تعالیٰ نوں تے

Marfat.com

رتجھواناں دے راضی یا ناراض رہن دی کوئی پرواہ نہیں۔ ایہہ دونویں صفتاں اوہدی وحدانیت نوں ویکھدیاں ہویاں اوہدے نال جُڑیاں ہویاں نیں۔''(۱۰)

اس پیرے کے ترجمہ میں مترجم نے زیادہ تر لفظی ترجمے کا سہارا لیا ہے۔ اگر خُلق کو ''چنگا اخلاق''، خُو کو عادت لکھ دیا جاتا تو ترجمہ زیادہ رواں اور آسان فہم ہو جاتا۔ اسی طرح ''طالب'' کا ترجمہ ''رتجھواناں'' مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سماع کے آداب کے بارے میں داتا صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''بداں کہ شرط آداب سماع آن است کہ تانیاید نکنی، و مرآن را عادت نسازی۔ دیر بہ دیر کُنی۔ تا تعظیم آن از دل بنشود۔ و باید تا چوں سماع کُنی، پیری آنجا حاضر باشد۔ وجای از عوام خالی، وقوال بہ حرمت۔ و دل از اشغال خالی۔''

پنجابی ترجمہ: جان لوو کہ قوالی سنن دے چنگے طور طریقیاں دی شرط ایہہ وے کہ جناں چر سماع دی خواہش آپ آ کے کاٹھی نہ پا لوے سماع نہ کرو۔ اتے خاص کر کے ایہنوں عادت نہ بنا لؤو۔ کافی ڈھیر چر پچھوں سماع کرو تاں جے ایہدا آدر ادب تہاڈے منوں نہ چلا جاوے تے ایہہ وی چاہیدا اے کہ جناں چر سماع کردے رہو کوئی طریقتی پیر صاحب محفل وچ موجود رہن۔ قوالی دی محفل عاماں توں خالی ہووے۔ قوال پیراں بزرگاں دی عقیدت احترام رکھن والا ہووے تے اوہدا دل دنیاوی جھنجھٹاں دھندیاں توں خالی ہووے۔''(۱۱)

بلاشبہ یہ بامحاورہ اور رواں ترجمہ ہے مگر کچھ الفاظ کا بے جا اضافہ اور استعمال نہ کیا جاتا تو انداز اور خوبصورت ہو جاتا۔ مثلاً ''کافی ڈھیر چر'' وچ کافی کا لفظ فالتو ہے۔ ''کوئی طریقتی پیر صاحب موجود رہن'' کی جگہ ''مرشد محفل وچ ہووے'' زیادہ بہتر ترجمہ ہے۔ اسی طرح ''قوال عقیدت رکھن والا ہووے۔ دل دنیاوی دھندیاں توں خالی ہووے'' میں مطلب کی پوری طرح

Marfat.com

تفہیم نہیں ہوتی۔ کیوں کہ صرف قوال کا ہی دنیاوی دھندلکوں سے دور ہونا ضروری نہیں۔ یہ شرط سننے والے صوفیاء پر بھی عائد ہوتی ہے۔

شریف صابر کے اس ترجمے میں ایک اہم خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کی مروجہ اصطلاحات کا خواہ مخواہ غیر مانوس الفاظ میں ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ انہیں اسی طرح رہنے دیا ہے جس طرح وہ صوفیاء کے حلقوں میں لکھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے تصوف کے مشکل مقامات سے دامن بچا کر گزرنے کی بجائے ان کو مختلف اولیاء کی کتب، علماء کی لغات اور صوفی محمد افضل فقیرؒ جیسے صاحبِ نظر بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر سمجھنے کی کوشش کی ہے اور جب تک بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی اتنی دیر تک اسے ترجمہ نہیں کیا۔

ہمیشہ وہ ترجمہ معیاری تسلیم کیا جاتا ہے جس سے قاری یہ محسوس کرے کہ وہ ترجمہ نہیں پڑھ رہا بلکہ اصل تحریر کا ہی لطف لے رہا ہے اور یہ خوبی اُس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب مترجم کی فکر کسی الجھاؤ کا شکار نہ ہو اور اسے زبان و بیان کا طریقہ بھی آتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شریف صابر کو ان تمام خوبیوں سے خوب خوب نوازا ہے۔ بات کی تہہ تک پہنچنا اور اس کی تہہ سے حقائق پوری صداقت کے ساتھ سامنے لے آنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ شریف صابر کا ترجمہ ان تمام خوبیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ضیاء الحبیب صابر صاحب نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

ایہناں دے ترجمے وچ تخلیقی عنصر، پنجابی کلچر تے ماں بولی دا رَس موجود اے تے ترجمے دی فضا توں انج جاپدا اے جویں حضور داتا صاحبؒ نے اپنی اصل کتاب پنجابی وچ ای لکھی ہووے۔" (12)

❀ ❀ ❀

Marfat.com

حوالے/حواشی

۱۔ نظرتُ اِلیٰ بِلاَدِ الله جمعاً کَخَرُدَلَۃٍ علیٰ حُکمِ اتِّصَالٖ
قصیدہ غوثیہ از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۲۔ وارث شاہ: ہیر؛ مرتبہ عبدالعزیز بارایٹ لا، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۰ء ص ۱۸۸

۳۔ بلھے شاہ: کلام بلھے شاہ؛ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد، پیکجز لاہور 1976ء ص ۴۰

۴۔ داراشکوہ نے وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے مگر مولوی محمد شفیع نے کشف المحجوب کا سال تصنیف ۴۸۱ھ تا ۵۰۰ھ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ آپ نے ۵۰۰ھ کے آخر میں وصال فرمایا ہوگا۔ (مقالات مولوی محمد شفیع، ۱۹۶۰ء ص ۱۹۳)

۵۔ دریائے جیحوں کے بالائی علاقے ختلان کے رہنے والے تھے، مگر جبل لکام کے دیہات بیت الجن میں بسیرا کیا، جو دمشق کے جنوب مغرب میں ہے۔ عمر کا زیادہ حصہ تنہائی میں گزارا۔ فقر و استغنا کا حال یہ تھا کہ ایک لمبے عرصے تک ایک ہی لباس زیب تن رکھا۔ اسی میں پیوند لگا لیتے تھے۔ فرماتے کہ دنیا ایک دن کی ہے اور اس میں ہمارا روزہ ہے۔

(دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ جامعہ پنجاب ص ۹۵)

۶۔ عبدالماجد دریابادی: تصوفِ اسلام؛ اعظم گڑھ ۱۳۴۳ھ ص ۳۷

۷۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء ص ۶۵

Marfat.com

۸۔ عابدہ ثمیرا (مرتب) دیوان محمد مست عمر قادری - حیاتی تے لکھتاں (مقالہ ایم-اے پنجابی ۱۹۹۵ء) سیمینار لائبریری شعبہ پنجابی پنجاب یونیورسٹی ص ۱۸/ ۲۷

۹۔ شریف صابر (مترجم) کشف المحجوب، قاضی پبلیکیشنز گنپت روڈ لاہور 1996ء ص ۶۳

۱۰۔ ایضاً ص ۱۰۷

۱۱۔ ایضاً ص ۷۷۸

۱۲۔ ایضاً ص ۱۱

کشف المحجوب (چند توضیحات)

محمد اکرام چغتائی *

ایک زمانہ تھا کہ اغیار کے کتاب خانوں اور نوادرات کے خزینوں میں محفوظ میراثِ خلیل دیکھ کر اِس کے اصل وارثوں کے دل سیپارہ ہو جاتے تھے(۱)، لیکن پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے حوادث رونما ہوئے کہ اب جو میراث کے اِن محافظ خانوں پر نظر پڑتی ہے، تو یہ سوچ کر دل کو کُلّی اطمینان ہو جاتا ہے کہ غیروں کی دسترس ہی میں سہی، گردشِ ایام سے محفوظ و مامون تو ہیں۔ یوں تو ہمارے یہ تہذیبی مظاہر دنیا کے کونے کونے میں بکھرے پڑے ہیں، لیکن راقم کے خیال میں، جو گذشتہ تین دہائیوں سے اِن کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہے، اِس وقت چار ایسے مقامات ہیں، جو اِن خزائن کی کثیر تعداد کے باعث سرِ فہرست ہیں اور یہ تمام انگلستان اور وسطی یورپ سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی برٹش لائبریری (لندن)(۲)، نیشنل لائبریری (پیرس)(۳)، اسٹیٹ لائبریری (برلین) (۴)اور قومی لائبریری (ویانا)(۵)۔ یہاں مؤخرالذکر یعنی آسٹریا کے قومی کتاب خانہ کا ذکر مقصود ہے، جس کے شعبۂ مخطوطات میں ہماری میراث کے تین ایسے نوادر موجود ہیں، جو کہیں اور دستیاب نہیں۔ مثلاً دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مکتوبہ چرمی مسودات (parchments) جن کو دیکھے بغیر ترتیب و جمعِ قرآن (۶) اور اسلامی خطاطی کے ابتدائی ادوار کا مطالعہ ممکن نہیں، نیز داستانِ امیر حمزہ کے باتصویر نسخہ کی وہ

* اردو انسائیکلوپیڈیا، جامعہ پنجاب، لاہور۔

Marfat.com

سیکڑوں کتابی تصاویر (Miniature paintings)، جو مغل بادشاہ اکبر اعظم کے حکم پر درباری مصوروں نے برسوں کی محنت سے تیار کی تھیں (۷) اور سب سے بڑھ کر فارسی میں اولیں صوفیانہ تصنیف ''کشف المحجوب'' کا وہ معتبر قلمی نسخہ، جواب بھی نسخۂ اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔

''کشف المحجوب'' کا یہ قدیم، نادر و نایاب مخطوطہ آسٹریا کی معروف زمانہ Academy of Sciences کے بانی اور جرمن بولنے والے ممالک کی تاریخِ استشراق کے جدِّ اعلیٰ Joseph von Hammer-Purgstall (۱۷۷۴۔۱۸۵۶ء) کی ذاتی ملکیت تھا۔ وہ عمر بھر عربی، فارسی اور ترکی زبان و ادب اور تاریخ پر کام کرتا رہا۔ برعظیم پاک و ہند سے بھی اُس کے علمی روابط رہے، جن کی تفصیلات راقم نے اپنی کتاب میں قلمبند کر دی ہیں (۸)۔ یہ وہی خاور شناس ہے، جس نے پہلی بار دیوانِ حافظ کو جرمن زبان میں منتقل کیا۔ بعد میں یہی ترجمہ گوئٹے کے ''دیوانِ شرقی'' کا محرک ثابت ہوا اور اسی شاعر المانوی کا جواب علامہ اقبال نے ''پیامِ مشرق'' کی صورت میں پیش کیا (۹)۔ ہامر پورگشتال کی خودنوشت سوانح عمری (۱۰) اور اُس کے نجی کاغذات (۱۱) سے معلوم نہیں ہوتا کہ اُسے ''کشف المحجوب'' کا یہ نسخہ کہاں سے حاصل ہوا۔ البتہ غالب امکان یہی ہے کہ جب وہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں استنبول میں بطور قونصلر تعینات تھا (۱۲) تو وہیں سے متعدد دیگر فارسی مخطوطات کے ساتھ یہ خطی نسخہ بھی اس کے ہاتھ لگا۔ ۱۸۵۶ء میں اُس کا انتقال ہوا اور وصیت کے مطابق اُس کا تمام نجی ذخیرۂ کتب ویانا کی اسی لائبریری کو منتقل ہو گیا۔ چند سال بعد اِس شاہی کتاب خانہ میں مخزونہ عربی، فارسی اور ترکی قلمی نسخوں کی فہرست سازی کا فیصلہ ہوا اور یہ اہم فریضہ نامور مستشرق فلیوگل کو (۱۳) سونپا گیا، جو ''الفہرست'' (ابن ندیم) (۱۴)، ''تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ'' (ابنِ قتیبہ) (۱۵)، ''کشف الظنون'' (حاجی خلیفہ) (۱۶) جیسے مستند اسلامی مصادر کی اشاعت اور قرآنی الفاظ کے ابجدی اشاریہ (concordance) (۱۷) کی اولیں تدوین سے علمی حلقوں میں شہرت پا چکے تھے۔

Marfat.com

فلیوگل کی یہ فہرست مخطوطات تین ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی (۱۸) اور اس کی تیسری اور آخری جلد میں ''کشف المحجوب'' کے اس اساسی خطی نسخے کے مفصل کوائف درج ہیں۔ انھی تفاصیل کو پڑھ کر روسی ایران شناس ژوکوفسکی نے اس قلمی نسخے کا تنقیدی متن تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ ایسی کتاب جو بے مرشد متلاشیانِ حق کے لیے رہبر کا فریضہ ادا کرتی ہے (۱۸۔ اے)، اُس کے اولیں تنقیدی متن کی تیاری کا شرف روس جیسے ملک کے ایک مدرسِ زبانِ فارسی کو حاصل ہوا۔ سینٹ پیٹرز بورگ کے دارالفنون کے اس ایران شناس کا نام والنٹین الیکسی وِچ ژوکوفسکی تھا (۱۹)، جس کے متعلق ہمارے مؤرخینِ تصوف اور مترجمینِ ''کشف المحجوب'' کی معلومات انتہائی تشنہ ہیں۔ حیرت ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے حالیہ ایڈیشن کے ایرانی مرتب ڈاکٹر محمود عابدی نے بھی اُن میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں کیا (۲۰)۔ بلاشبہ ژوکوفسکی کے سوانح حیات کمیاب ہیں، لیکن اس کے انتقال (۱۹۱۸ء) پر بعض روسی شرق شناسوں اور تاریخ دانوں بالخصوص بارتولڈ (V.V. Barthold)(۲۱) نے جو تعزیّت نامے (Obituaries) سپردِ قلم کیے (۲۲)، اُن سے اخذ کردہ بعض معلومات بالاختصار پیشِ خدمت ہیں۔

ژوکوفسکی 1858ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد سینٹ پیٹرز بورگ کی یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ یہاں اُس کا پسندیدہ موضوع فارسی زبان و ادبیات تھا اور اسی میں اُسے اختصاص حاصل تھا۔ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوا تو اسی شہر کے دارالفنون میں ملازم ہو گیا اور اپنی وفات تک وہ اسی ادارے سے منسلک رہا۔ اس دوران میں ژوکوفسکی نے متعدد فارسی متون ترتیب دیے اور معروف فارسی شعراء مثلاً فردوسی (۲۳)، عمر خیام (۲۴)، ناصر خسرو (۲۵)، بابا طاہر عریاں (۲۶)، خواجہ محمد پارسا (۲۷)، پیرِ ہرات (۲۸) اور اعتماد السلطنت محمد حسن خاں (۲۹) پر مفصل تنقیدی اور تحقیقی مقالات تحریر کیے، جو سینٹ پیٹرز بورگ کے علمی و تحقیقی مجلّہ کے شمارہ

اول (بابت ۱۸۸۶۔۱۸۸۷ء) سے تیرہویں شمارہ (بابت ۱۹۰۰ء) میں باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے (۳۰)۔ علاوہ ازیں ایرانی تصوف اور بعض صوفیاء پر اُس کے چند مقالات کا انگریزی ترجمہ اِس کے ہم وطن بوگدانوف (L. Bogdanov) نے کیے، جولندن اور کلکتہ کے معتبر جرائد میں چھپتے رہے (۳۱)۔ اسی دوران میں اُس نے محمد بن منور کی تصنیف ''اسرارالتوحید'' کا تصحیح کردہ متن بھی شائع کرایا (۱۸۹۹ء) (۳۲)۔ چند سال بعد ۱۹۰۵ء میں ژوکوفسکی نے ''کشف المحجوب'' کی ترتیب و تدوین اور تصحیح کا آغاز کیا۔ ویانا کے متذکرہ بالا مخطوطہ کو اساسی نسخہ قرار دیا، جابجا لیننن گراڈ اور تاشقند کے قلمی نسخوں سے بھی استفادہ کیا۔ یہ اِس کتاب کے بلند پایہ صوفیانہ موضوعات کا اعجاز تھا، یا صاحب کتاب کا روحانی تصرف کہ اس نے عمر کا بقیہ حصہ ''کشف المحجوب'' کے متن کی درستی میں گذار دیا۔ انھی دنوں ژوکوفسکی کے زیرِ کار منصوبے کی خبر اڑتی اڑتی معروف تصوف شناس آرائے نکلسن (۳۳) تک جا پہنچی اور اُس نے ''کشف المحجوب'' کے انگریزی ترجمہ کے دیباچے میں ان الفاظ میں ذکر کیا:

> "... Professor Schukovski of St. Petersburg is now, as I understood, engaged in preparing a critical text".(۳۴)

نکلسن کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں ''کشف المحجوب'' کا ایک ایڈیشن بخط جلی نستعلیق بڑی تقطیع پر سمرقند سے طبع ہوا (۳۵)۔ ممکن ہے ژوکوفسکی نے اس انگریزی ترجمہ اور سمرقندی طباعت سے بھی استفادہ کیا ہو۔ تقریباً پندرہ برس کی محنتِ شاقہ کے بعد ''کشف المحجوب'' کا تنقیدی متن تیار ہوگیا اور مرتب نے اس کے مختلف پہلوؤں پر مفصل مقدمہ بھی تحریر کرلیا، لیکن بدقسمتی سے وہ اسے اپنی زندگی میں مطبوعہ صورت میں نہ دیکھ سکا اور یہ اُس کی وفات کے آٹھ سال بعد یعنی ۱۹۲۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ تب سے اسی ایڈیشن کو صحتِ متن کے اعتبار سے درجۂ استناد حاصل ہے۔ اب تک ''کشف المحجوب'' کے تیس سے زیادہ اردو

تراجم شائع ہو چکے ہیں اور تقریباً سبھی مترجمین نے ژوکوفسکی کے اسی متن کو بنیاد بنایا (۳۶)۔ علمی حلقوں میں اس روسی ایڈیشن کے مرتب کی کاوش بالخصوص مفصل روسی پیشگفتار (مشتمل بر ۶۴ صفحات) کے مباحث کو بے حد سراہا گیا، لیکن اس کے ساتھ ژوکوفسکی نے فارسی متن کے پڑھنے میں جہاں ٹھوکریں کھائیں، ان کی نشاندہی بھی کی گئی۔ اس ضمن میں اُس کے ہموطن ڈوجن (L.S. Dugin) نے اپنے مفصل تبصرہ میں مرتب پر کڑی تنقید کی ہے اور اُس کی متعدد فروگذاشتوں کی نشاندہی بھی کی (۳۷)۔ ''کشف المحجوب'' کے ایرانی مرتب ڈاکٹر محمود عابدی صاحب کا اِس روسی ایڈیشن پر یہ اعتراض لائقِ توجہ ہے کہ اس کے مرتب نے نسخۂ اساس یعنی نسخۂ ویانا کے حواشی پر اور بین السطور میں جو عبارتیں نقل کی ہیں، انھیں اصل متن کا حصہ بنا دیا (۳۸)۔ اس اعتبار سے ژوکوفسکی کے متن کو بنیاد بنا کر اردو تراجم کی جو کثیر تعداد شائع ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے، اُس کی افادیت اور استناد ساقط ہو جاتا ہے۔

****

اب تک ''کشف المحجوب'' کے دو انگریزی تراجم شائع ہوئے ہیں۔ ایک تو آر-اے- نکلسن کا مقبول عام ترجمہ ہے، جو ایک صدی گذرنے کے بعد بھی اپنی افادیت قائم رکھے ہوئے ہے۔ جن دنوں نکلسن نے اِس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، سمرقندی اور ژوکوفسکی کے متون شائع نہیں ہوئے تھے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے ترجمہ کے لیے کونسا متن استعمال کیا؟ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا کہنا ہے کہ نکلسن کا انگریزی ترجمہ اُس ایڈیشن پر مبنی ہے، جو لاہور کے مطبع پنجابی سے ۱۸۷۴ء میں طبع ہوا (۳۹)۔ نکلسن نے ''کشف المحجوب'' کی اس اولیں طباعت کو پیشِ نظر رکھا، لیکن مکمل طور پر اس پر انحصار نہیں کیا۔ اُس کی رائے میں یہ ایڈیشن غیر معتبر تھا، اس لیے اُس نے انڈیا آفس لائبریری کے دو اور برٹش میوزیم کے ایک عمدہ قلمی نسخے سے بھی استفادہ کیا۔ چنانچہ وہ دیباچے میں خود یوں وضاحت کرتا ہے:

"It has been lithographed at Lahore... The Lahore edition is inaccurate, especially in the spelling of names, but most of its mistakes are easy to emend, and the text agrees closely with two MSS. in the Library of the India Office... with which I have compared it. I have also consulted a good MS. in the British Museum."

عرصۂ دراز تک علمی حلقوں میں نکلسن کا یہی انگریزی ترجمہ مستعمل رہا۔ اکیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں واحد بخش سیال مرحوم کا انگریزی ترجمہ منصۂ شہود پر آیا۔ اس ترجمہ میں بعض وضاحت طلب امور کی چوکھٹوں میں شرح بھی کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ وشرح پہلی بار ملائشیا سے طبع ہوا اور اسی کا عکس لاہور سے بھی شائع ہوا (۲۰۰۵ء) (۴۰)۔ اس انگریزی ترجمہ میں کہیں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ اس کے لیے ''کشف المحجوب'' کے کونسے فارسی متن کو بنیاد بنایا گیا۔ مترجم نے اس کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ شامل نہیں کی۔ حیرت ہے اس کی نشاندہی بھی نہیں کی اور کوئی معقول جواز بھی پیش نہیں، مثلاً وہ حصہ جہاں داتا گنج بخشؒ نے اپنی شادی کا ذکر کیا ہے۔

گذشتہ کچھ سالوں سے جرمنی اور فرانسیسی زبانوں میں بعض اہم اور اساسی صوفیانہ کتب کے تراجم مع توضیحات وغیرہ تسلسل سے شائع ہو رہے ہیں، بالخصوص سوئٹزرلینڈ کے تصوف شناس گراملخ (Richard Gramlich) کے تراجم لائقِ تحسین ہیں۔ خدا کرے اس پایہ کا کوئی مستشرق فارسی کی اس اولیں کتاب یعنی ''کشف المحجوب'' کو جرمن یا فرانسیسی میں منتقل کرنے کا بیڑہ اُٹھائے۔

****

مولوی محمد شفیع (۶۔اگست ۱۸۸۳-۱۴مارچ ۱۹۶۳ء)، پرنسپل یونیورسٹی کالج وچیئرمین اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (پنجاب یونیورسٹی) علمی تبحر، دقتِ نظر، ذوقِ تنقید و تحقیق، ثقہ

Marfat.com

اسلوبِ نگارش اور کام کی سچی لگن کی درخشاں مثال تھے(۴۱)۔اُن کی ذات ''مغربی انداز نقد ونظر اور مشرقی تبحر کا نادر المثال اجتماع'' تھی (۴۲) اور وہ ''ہمارے دیرینہ کاروانِ فضائل کے وہ آخری فرد تھے جن کے لیے مجمع علوم کا لقب زیبا تھا'' (۴۳)۔انکشاف واکتشاف اُن کی علمی تحقیق وجستجو کا نمایاں وصف ہے۔ وہ باکمال مخطوطہ شناس تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور اپنے ذاتی کتاب خانہ کے لیے عربی فارسی اور اردو قلمی نسخوں کو جمع کرتے رہتے تھے (۴۴)۔افسوس! اُن کی زندگی بھر کا جمع کردہ یہ قلمی خزینہ ''اپنوں'' کی لوٹ مار کا شکار ہوگیا۔ اُن کے انھی نوادرات میں ''کشف المحجوب'' کا بھی ایک خطی نسخہ موجود تھا، جس کو وہ اپنے قریبی احباب اور افرادِ خانہ سے بھی چھپا کر رکھتے تھے۔ وہ اس کو خود شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن بدقسمتی سے وہ اپنی زندگی میں چھپوا نہ سکے۔ اُن کی رحلت کے پانچ سال بعد یہ انتہائی نادر قلمی نسخہ اشاعت پذیر ہوا (۴۵) اور جلد ہی اس کو اردو میں بھی منتقل کر دیا گیا۔ فارسی متن اور اردو ترجمہ دونو مولوی موصوف کے فرزند احمد ربانی کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ اول الذکر کے پیش لفظ کے آغاز میں وہ رقمطراز ہیں:

> ''حال ہی میں ماسکو سے ''کشف المحجوب'' کا ایک پرانا نسخہ روسیوں نے چھپوایا ہے۔ اس کے دیباچہ میں یہ مذکور ہے کہ دنیا کا قدیم اور صحیح ترین نسخہ والد بزرگوار محمد شفیع مرحوم ومغفور کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے [یہاں ''روسیوں'' کے بجائے ''ایرانیوں'' ہونا چاہیے]۔ والد صاحب کے شاگرد رشید شیخ محمد اکرام سی ایس پی کے علم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے میرے عزیز اور مشفق دوست سید محمد ہاشمی فریدآبادی کی وساطت سے مجھے کہلوایا کہ اس انمول نسخہ کو چھپوانا چاہیے۔ مجھے سید ہاشمی فریدآبادی (۴۶) کا بے حد احترام تھا، چنانچہ میں نے اس کام کی حامی بھر لی۔''

اور ذرا آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اس نسخے کو سید محمد ہاشمی فرید آبادی اور سندھ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے بھی ایک مرتبہ پڑھا۔اس کے لیے ان دونو حضرات کا شکریہ مجھ پر واجب ہے''۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ احمد ربانی کے پُرزور اصرار پر ان کے والد کے شاگرد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مرحوم لاہور تشریف لائے، اُن سے ملے (مئی ۱۹۶۵ء) اور مسلسل گیارہ دن دونو اصحاب ''کشف المحجوب'' کے اس قلمی نسخہ کی خواندگی اور متن کی صحت و درستی میں مصروف رہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس مخطوطہ کی اغلاط درست کیں، متن کی تصحیح کے بعد اسے قابلِ اشاعت بنایا۔ علاوہ ازیں انھوں نے احمد ربانی کی فرمائش پر مفصل مقدمہ بھی ارسال کر دیا، جو کسی مصلحت کی بناء پر شامل نہیں کیا گیا۔اس کے بجائے انھوں نے اپنے پیش لفظ میں غلام مصطفیٰ خاں کے ساتھ ساتھ سید ہاشمی فرید آبادی کا اس خطی نسخہ کی خواندگی کا اعتراف کیا ہے، لیکن اس کی تصحیح وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مرحوم کی رائے میں اس مخطوطہ کے ترقیمہ میں کاتب نے ''بہاؤالدین ذکریا'' لکھا ہے یعنی زکریا ''ز'' کے بجائے ''ذ'' سے، جو کاتب کے کم سواد ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔مزید یہ کہ کاتب نے سالِ کتابت ۱۰۱۴ھ لکھا تھا، جس پر کسی نے سیاہ قلم پھیر کر ۶۶۴ھ کر دیا، تاکہ وہ کتابت حضرت بہاؤالدین زکریاؒ (م-۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء) سے منسوب ہو سکے۔آخر میں چند مواہیر بھی ہیں اور غالباً میر جملہ (گیارہویں صدی ہجری) کی مہر سے پہلے کی کوئی مہر نہیں۔

ڈاکٹر موصوف جیسے بلند پایہ فارسی دان اور بلند پایہ عالم کی اس رائے کے بعد زیرِ نظر قلمی نسخہ کو بہاؤالدین زکریاؒ سے منسوب کرنا محلِ نظر ہے۔

****

Marfat.com

سطورِ بالا میں ''کشف المحجوب'' کے فارسی متن کے روسی ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۲۶ء) کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے مرتب ژوکوفسکی نے داتا گنج بخشؒ اور اُن کی اس اہم تصنیف کے مختلف پہلوؤں پر مفصل مقدمہ تحریر کیا تھا (چونسٹھ صفحات)، جو روسی زبان میں لکھا گیا، لیکن ابھی تک اس پیش لفظ کو اردو میں منتقل نہیں کیا گیا اور یوں ہم اس کے مباحث سے لاعلم ہیں۔ ہمارے ہاں روسی زبان جاننے والے بہت کم ہیں اور اگر ہیں، تو اس موضوع اور اس میں مستعملہ اصطلاحات سے ناواقف ہیں۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ اس روسی مقدمہ کو براہ راست اردو میں ترجمہ کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔ بصورتِ دیگر اس کو بالواسطہ طور پر اردو میں منتقل کیا جاسکتا ہے اور وہ یوں کہ ''کشف المحجوب'' کے جس فارسی متن (مرتبہ ژوکوفسکی) کو عکسی طور پر شائع کیا گیا تھا (تہران، ۱۳۳۶ش/ ۱۹۵۷ء)، اس کے ساتھ اس روسی پیش گفتار کا فارسی ترجمہ بھی شامل کر دیا۔ اس فارسی ترجمہ کو بآسانی اردو میں منتقل کیا جاسکتا ہے اور یوں ''کشف المحجوب'' کے شائقین اور داتا گنج بخشؒ کے محبین اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

حواشی

* سنۂ تکمیل مابین ۴۸۱ھ۔۵۰۰ھ/ ۱۰۸۸-۱۱۰۶ء۔ (بحوالہ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۶۰ء۔ ''تاریخ وفات داتا گنج بخش'' از عبدالحیٔ حبیبی)

1- اقبال کے دو اشعار

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل ۔۔۔ خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی ۔۔۔ جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

2- قبل ازیں انڈیا آفس لائبریری (لندن) اور برٹش میوزیم (لندن) کی لائبریری میں عربی، فارسی اور ترکی کی جتنی قلمی اور مطبوعہ کتب موجود تھیں، وہ اب اس نئی تعمیر کردہ لائبریری کے ایک شعبہ موسوم بہ ''انڈیا آفس اینڈ اورینٹل'' میں منتقل کر دی گئی ہیں۔

3- بلیو تیک ناسیونال- کتابوں کا بیشتر حصہ نئی عمارت میں محفوظ کر دیا گیا ہے، لیکن قلمی نسخوں کا ذخیرہ قدیم عمارت ہی میں موجود ہے اور نئے خرید کردہ مخطوطات کی فہارس (زیرِ اہتمام رشارڈ) وقفے وقفے سے طبع ہو رہی ہیں۔

4- Staatsbibliothek -انیسویں صدی عیسوی میں اس کا نام کتاب خانۂ شاہی تھا۔ اب تک اس کتاب میں محفوظ السنۂ شرقیہ کی قلمی نسخوں کی ستر سے زائد جلدوں میں فہارس چھپ چکی ہیں۔ ان میں عربی، فارسی، ترکی اور اردو مخطوطات کی کثیر تعداد بھی شامل ہے۔

5- یہ آسٹریا کا عظیم ترین کتابخانہ ہے، جس کے شعبۂ مخطوطات میں عربی، فارسی اور ترکی کے قلمی نسخے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اردو کے صرف سات قلمی نسخے ہیں، جو آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ اختر سے تعلق رکھتے ہیں۔ راقم کے پاس اِن تمام نسخوں کی عکس نقول محفوظ ہیں،

Marfat.com

جن میں سے اب تک چار زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

6- اب ان تمام مصاحف کو اصل کے مطابق بڑی تقطیع کی تین جلدوں کو اکیڈیمی آف سائنسز (ویانا) کی جانب سے شائع کر دیا گیا ہے۔

7- شاہنواز خاں کی ''مآثر الامراء'' (تین جلد، کلکتہ 1888-1891ء) کے مطابق اس داستان کی چار سو سے زائدہ تصاویر بنائی گئی تھیں، لیکن اب تین سو کے لگ بھگ دستیاب ہیں اور وہ بھی دنیا کے تین کتاب خانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ ویانا کے علاوہ برٹش میوزیم (لندن) اور میٹروپولیٹن میوزیم (امریکہ) میں بھی کچھ تصاویر محفوظ ہیں۔ اب گراتس (Graz، آسٹریا) کے ایک ناشر نے اِن تمام تصاویر کو عمدہ طریقے سے یکجا شائع کر دیا ہے اوران کے متعلق الگ سے کتاب بھی لکھوائی ہے، جس میں ان نایاب تصاویر کی تاریخی اور فنی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

8- زیرِعنوان Hammer - Purgstall and the Muslim India، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1998ء

9- تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب بعنوان Iqbal and Goethe، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1999ء

10- یہ سوانح عمری جرمن زبان میں ہے اور یہ پہلی بار ویانا سے 1940ء میں طبع ہوئی۔

11- ہامر کے یہ تمام کاغذات، دستاویزات اور مسودات آسٹریا کے شہر گراتس کے نواح میں اُس کے قلعہ نما گھر کے ایک بڑے کمرے میں محفوظ ہیں اور اسی کے خاندان کی ایک عمر رسیدہ خاتون نے انہیں اب تک سنبھال رکھا ہے۔

12- ہامر نے اپنی متذکرہ بالا خودنوشت سوانح عمری میں اپنے قیامِ استنبول کی تفصیلات قلمبند کی ہیں۔ معروف سیاح ابو طالب اصفہانی (مؤلف ''مسیر طالبی'') جب مغربی ممالک کی

Marfat.com

سیاحت سے واپس آرہا تھا تو وہ اسی شہر میں ہامر سے ملا تھا (اندازاً 1801ء میں)

13- Gustav Fluegel (1870-1802ء)

14- ابن الندیم (م 385ھ/ 995ء) کتاب الفہرست، دو جلد، لائی پتسک، 1872-1871ء

15- ابن قتیبہ الدینوری (213-276ھ/828-889ء) دیکھیے براکلمان 1:120-121؛ 1:184-185۔

16- مطبوعہ لائی پتسک، 1835-1858، سات جلد

17- طبع عکسی، مطبوعہ لاہور

18- فلیوگل (G. Fluegel) کی مرتبہ عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کی اس فہرست کا مکمل حوالہ درجِ ذیل ہے:

Die arabischen, persischen und tuerkischen Handschriften der kaiserlich-koeniglichen Hofbibliothek zu Wien.
3 vols., Vienna 1865-1867; photomechanical reprint, Hildesheim 1977.

18A- مجموعۂ ملفوظات ''دُرِ نظامی'' (قلمی) میں مرقوم ہے کہ میں نے ''کشف المحجوب'' کا تمام و کمال مطالعہ کیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر کسی کو مرشد نہ ملے تو اسے پڑھنے سے مل جائے گا''۔ (بحوالہ تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی، 1343ھ، ص 37)

19- ژوکوفسکی کا پورا نام: Valentine Aleksyeevich Zhukovsky

20- کشف المحجوب، تصحیح، تعلیقات و توضیحات، تہران 2004ء۔

21- معروف روسی مستشرق اور تاریخ دان (1864-1930ء)، جس کی بعض کتابوں کا

Marfat.com

انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے، مثلاً Turkistan down to the Mongal Invasion۔ بارتولڈ کا یہ تعزیتی مضمون درجِ ذیل روسی مجلّہ میں طبع ہوا:

Zapiski Vostochnago Otdyeleniya Imperatorskago. Russkago Arkheologicheskago Obshchestva, 25 (1912-20), pp.399-414)

آئندہ سطور میں اس مجلّہ کا حوالہ "Zapiski" کے لفظ سے دیا جائے گا۔

-22 S.F. Oldenburg نے ژوکوفسکی کے تمام تنقیدی اور تحقیقی کاموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ مضمون روس کی اکیڈمی آف سائنسز کے مجلّہ میں شائع ہوا (جلد 12 (1918ء)، 2068-2039)۔

دوسرا مضمون A.A. Romaskevich کا تحریر کردہ ہے، مطبوعہ در: Zapiski، 25 (1920-1917ء)، ص 419-415)۔

-23 در: Zapiski، 2 (1888-1887ء)، ص 263-266-6 (1891ء)، ص 314-308

-24 در: ...Shornik، ص 363-325

-25 در: Zapiski، 4 (1889ء)، ص 393-386

-26 در: ایضاً، 13 (1900ء)، ص 0108-0104

-27 در: ایضاً، 12 (1899ء)، ص 07-05

-28 انگریزی ترجمہ از L. Bogdanov، در: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) 1939، ص 255-205

-29 در: Zapiski، 10 (1896ء)، ص 91-87

-30 ژوکوفسکی کے محولہ بالا مضامین کے علاوہ اُس کے دیگر مقالات Zapiski کے اِن شماروں

Marfat.com

میں اشاعت پذیر ہوئے:

1 (1886-1887ء)، ص 23-29، 316-218؛ 2 (1887-1888ء)،
ص 1-24، 376-377؛ 3 (1888-1889ء)، ص 119-121؛ 5 (1890)،
ص 111-112، 157-178؛ 6 (1891ء)، ص 321-327، 308-314؛ 11
(1998-1899ء)، ص 304-307۔

31- اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز (لندن) کے بلیٹن (بابت 1928-1930ء، 1930-1932ء) اور جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) بابت 1939ء میں شائع ہوئے۔

32- محمد بن منور: اسرار توحید فی مناقب الشیخ ابی سعید اولیں اشاعت بہ سعی و اہتمام ژوکوفسکی۔ بعد کی اشاعتیں: مرتبہ احمد بہمن یار، تہران 1313ش/ 1934-1935ء و اشاعت مکرر، تہران 1348ش/ 1969-1970ء۔ باہتمام ذبیح اللہ صفا، تہران 1332ش/ 1953ء۔

''اسرار التوحید'' کا عربی (مطبوعہ قاہرہ 1966ء) اور فرانسیسی ترجمہ از Mohammad Achena (پیرس 1974ء)۔

33- نکلسن (1868-1945ء)۔ علامہ اقبال کی ''اسرار خودی'' اور مولانا جلال الدین رومی کی ''مثنوی'' کے مترجم و مرتب

34- ''کشف المحجوب'' کا انگریزی ترجمہ بعنوان:

The Kashf al-Mahjub. The oldest Persian Treatise on Sufism. London 1911. Reprinted 1936, preface

35- سنۂ طباعت 1912ء، طبع عکسی، لاہور 2007ء

36- دیکھیے راقم کی کتاب بعنوان ''داتا صاحب (حالات و افکار)'' لاہور 2007ء

37- در: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) 8 (1942ء)، ص315-379

38- متعلقہ عبارت: ''درمتن چاپی ژوکوفسکی، ہمۂ آنچہ اکہ درہامش نسخہ یا درمیان سطور آمدہ است، وارد متن کردہ اند، بی آن کہ درنسخہ بدلہا بہ روایت اصلی متن اشارہ بود'' (کشف المحجوب- مقدمہ، تصحیح، تعلیقات از دکتر محمود عابدی، چاپ دوم، تہران 2006ء (2004ء)، ص61، تحتی نوٹ)

39- دیکھیے: مقالات از مولوی محمد شفیع، لاہور 1960ء۔ نیز کشف المحجوب (فارسی) بہ سعی و اہتمام احمد ربانی، مقدمہ، ص10 (مکمل حوالہ دیکھیے، بذیل نوٹ 45)

40- اس ترجمہ کے سرورق کی عبارت یوں ہے:

The Kashful Mahjub. "Unveiling the Veiled". The Earliest Persian Treatise on Sufism.

41- رجوع کیجیے (= رک) مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور از سید حسام الدین راشدی، در: رسالہ ''اردو'' (کراچی) جنوری 1968ء و مقالات مولوی محمد شفیع، جلد اول، مرتب احمد ربانی، لاہور 1967ء، ص1-22 و مقالاتِ راشدی مرتبہ غلام محمد لاکھو، کراچی 2006ء۔ ''السنۂ شرق و غرب کے ماہر مولوی محمد شفیع'' در: متاعِ لوح و قلم از فیض احمد فیض، طبع دوم، کراچی 1981ء (1973ء)، ص101-105۔ ڈاکٹر داؤد رہبر، در: تسلیمات، مطبوعہ لاہور، حصہ اول۔

42- رک: ارمغانِ علمی (مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کردہ صحیفۂ عقیدت) مرتبہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، لاہور 1955ء، ص159

43- مولانا غلام رسول مہر، در: انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد اول، 1964ء۔ تعزیتی نوٹ

Marfat.com

44- رک: مخطوطاتِ شفیع مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، لاہور

45- سرورق کی عبارت: کشف المحجوب...از روی قدیم ترین نسخہ کہ بقلم خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ منقول و یکی از نسخ گراں بہای کتاب خانۂ پروفسور مولوی محمد شفیع ست۔ با مقدمہ پروفسور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ بہ سعی واہتمام احمد ربانی، لاہور 1968ء (صفحات 481)

46- نیز رک: داتا گنج بخشؒ از ہاشمی فرید آبادی، در: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد نہم (1972ء)

Marfat.com

کشف المحجوب کی تصحیح اور تفہیم کے لیے ڈاکٹر محمود عابدی کی کاوشیں۔تعارف

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس*

برعظیم پاک و ہند کا خطہ،صوفیائے کرام کے احسانات کا اعتراف کرتا ہے کہ یہاں ان نفوس قدسیہ کی دعوت کے نتیجہ میں اسلام کا داخلہ ہوا۔اسی وجہ سے اقبال نے اگر سید ہجویر کے بارے میں ''مخدوم امم''،''خاک پنجاب از دم او زندہ گشت'' کے الفاظ کہے تو شیخ سرہندی کو سرمایہ ملت کا نگہبان (۱) قرار دیا۔ان صوفیہ کے مزارات، جنہوں نے پنجاب/خطہ پاک و ہند کو ایک تہذیبی سرمایہ بھی دیا، کے علاوہ ان کی کتب آج ہمارے لیے صراط مستقیم کے نقوش واضح کر رہی ہیں۔برعظیم پاک و ہند کے صوفیانہ ادب نے پوری اسلامی دنیا کے دینی ادب کو متاثر کیا ان کتب کے دوسری زبانوں میں تراجم ہوئے اور مسلمانان عالم ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ایسی ہی کتب میں سے ایک کشف المحجوب ہے۔اس کتاب کے ذریعہ ہمیں شیخ کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔دکتر عابدی نے اس کتاب کو شیخ ہجویری کی ابدی زندگی قرار دیا۔ان کے الفاظ میں: کوتاہ سخن آن کہ ہجویری کشف المحجوب را پیش از ۴۶۵ آغاز کرد و پس از ۴۶۹ بہ پایان بردہ است، و آیا در چہ سالی درگذشتہ است؟ بقای ہمیشگی با کشف المحجوب و یاد نیکش در خاطر علاقہ مندان ما را از اصرار در سالی معین بی نیازمی کند (۲)

---

* ڈاکٹر، جی۔سی یونیورسٹی، فیصل آباد

یعنی حضرت ہجویری نے کشف المحجوب ۴۶۵ھ سے پہلے شروع کی اور ۴۶۹ھ کے بعد ختم کی اور ان کا وصال کس سال میں ہوا؟ کشف المحجوب کے ذریعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جاودانی اور عقیدت مندوں کے دلوں میں ان کی نیک یاد ہمیں اس سے بے نیاز کر دیتی ہیں کہ ہم حضرت کے وصال کا سال ضرور معین کریں۔

کشف المحجوب پر دنیا کی ہر زبان میں تحقیقی کام ہوئے (۳) اس کو مختلف دیگر زبانوں کا جامہ پہنایا گیا۔ اردو زبان کے تراجم کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ برکت کے حصول کے لیے ہر عقیدت منداس کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے۔ جامعات میں اس حوالے سے خصوصی انتظامات ہوئے اس پر ہونے والے کاموں میں ایک اہم ترین کام اس کے متن کی تصحیح کا ہے۔ اگر چہ ژوکوفسکی، علی قویم، محمد حسین تسبیحی اس سلسلہ میں اہم کاوشیں کر چکے تھے مگر ڈاکٹر محمود عابدی (۵) کا کام اس سلسلہ کی تا حال آخری علمی، تحقیقی اور تخلیقی کڑی ہے۔ ڈاکٹر محمود عابدی کے اس کام پر عارف نوشاہی کا یہ خوبصورت تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

''یہ پروفیسر ڈاکٹر محمود عابدی ہیں جو تہران کی دانشگاہ تربیت معلم (ٹیچر ٹریننگ یونیورسٹی) کے شعبۂ ادبیات سے وابستہ ہیں اور نہایت خاموشی اور متانت کے ساتھ جو اصیل فضلا کا خاصہ ہے، کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں جب تہران میں ان کے اہتمام سے مولانا عبدالرحمان جامی کی نفحات الانس چھپ کر سامنے آئی تو ڈاکٹر عابدی نے سب کی توجہ اپنی جانب کروالی۔ یہ ایڈیشن نہ صرف نفحات الانس کے مصنف کے معاصر اور قدیم ترین قلمی نسخوں پر مبنی ہونے بلکہ اپنے شاندار مقدمے اور جاندار حواشی و تعلیقات کے باعث نفحات الانس کے سابقہ تمام مغلوط ایڈیشنوں کے لیے ''نسخۂ ناسخ'' ثابت ہوا۔ یہ کتاب ایران میں تحقیق و تدوین کے اعتبار سے اس سال کی بہترین کتاب اور انعام کی حقدار قرار پائی۔

۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر عابدی کی ایک مختصر کتاب درویش گنج بخش شائع ہوئی (انتشارات

Marfat.com

سخن، تہران) جو حضرت داتا گنج بخش کے مختصر سوانح حیات اور کشف المحجوب کے انتخاب پر مبنی تھی۔ یہ کتاب دراصل ان کے مستقبل قریب میں ایک دوسرے بڑے کام کی آمد کی خوش خبری لیے ہوئے تھی۔ یہ بڑا کام حضرت داتا گنج بخش کی تصنیف کشف المحجوب کی تصحیح و تدوین تھا جو بحمد اللہ ابھی چند ماہ پہلے ۲۰۰۴ء کے اواخر میں ایران ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذیلی اشاعتی ادارے سروش نے پوری آب و تاب کے ساتھ شائع کر دی ہے۔ یہ ایڈیشن ۱۲۳۱ صفحات کی ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہے، جن کی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

۴۷ صفحات مقدمہ، ۶۱۰ صفحات کشف المحجوب کا متن ۳۳۲ صفحات تعلیقات اور توضیحات ۲۰۸ صفحات اشاریے اور آخری ۱۴ صفحات مقدمہ اور تعلیقات کے مآخذ کی فہرست۔ اس ایڈیشن کا آدھا حصہ متن پر مشتمل ہے اور آدھا حصہ اس کام پر جو مرتب نے اضافہ کیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈاکٹر عابدی نے اس عزیز الوجود کتاب پر کیا کاوش اور محنت کی ہے۔ کشف المحجوب کے اس ایڈیشن کو ہم بجا طور پر کتاب محمود کہہ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عابدی نے کشف المحجوب کی تدوین میں اُسی نسخے کو بنیاد بنایا ہے جسے ژوکوفسکی نے بنیاد بنایا تھا، یعنی آسٹریا کے شاہی کتب خانہ، ویانا کا مخطوطہ ۳۳۴ جس پر تاریخ کتابت تو درج نہیں لیکن قرائن سے اسے آٹھویں صدی ہجری کا کتابت شدہ بتایا گیا ہے اور کشف المحجوب کا یہی مخطوطہ اب تک دستیاب نسخوں میں سے قدیم ترین ہے۔ ژوکوفسکی نے ویانا کا نسخہ استعمال کرتے ہوئے یہ بے احتیاطی کی کہ اس نسخے کے حاشیے پر کسی شخص نے کشف المحجوب کے جدید نسخوں سے مقابلہ کر کے جو اختلافات لکھے تھے وہ اپنے مرتبہ متن میں داخل کر دیے۔ ڈاکٹر عابدی کی رائے ہے کہ ژوکوفسکی سے متن پڑھنے میں بھی متعدد غلطیاں ہوئی ہیں اور ان کا مرتبہ متن، ویانا کے اصل نسخے کے مطابق نہیں ہے۔ ڈاکٹر عابدی نے اس کے علاوہ پانچ اور نسخے بھی استعمال کیے ہیں جن میں سے ایک نسخہ پاکستان (گنج بخش لائبریری، اسلام آباد) کا بھی ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عابدی نے بوقت ضرورت لینن گراڈ اور تاشکند کے تین اور قلمی نسخوں سے بھی رجوع کیا ہے۔اس طرح کل نو نسخے ڈاکٹر صاحب کے زیر استعمال تھے جن کی مدد سے کشف المحجوب کا ایک ایسا متن ہمارے سامنے آ گیا ہے جس کی صحت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔(٦) نسخہ اساس اور دیگر سے استفادہ کا اسلوب ڈاکٹر عابدی نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) ''نسخہ اساس'' میں مندرج روایت جس کو متن میں درج کرنا ضروری تھا اسے درج کیا۔

(۲) نسخہ اساس سے اسی صورت میں اعراض کیا جب اس کا غلط ہونا مسلم تھا۔ان چیزوں کی وضاحت تعلیقات میں کر دی۔

(۳) نسخہ اساس کی روایت کے مسلم طور پر غلط ہونے کی صورت میں دیگر چاروں نسخوں، بلکہ ہاتھ لگنے والے تمام نسخوں کو دیکھا اور ان میں متفقہ طور پر جسے صحیح پایا اس کو متن میں داخل کر دیا اور نسخہ اساسی کی غلطی کو حاشیہ میں درج کر دیا۔

(۴) دوسرے نسخوں کی روایات میں جو تنوع اور تفاوت تھا اس کے ذکر کو نظر انداز کر دیا۔(۷)

متن میں املاء کے مسائل پر بھی ڈاکٹر عابدی نے توجہ دی اور اس میں معاصرین کی معروف روش کو اپنایا۔اور اس میں قاری کی سہولت کے پیش نظر بعض جگہ الفاظ میں ردوبدل بھی کیا جیسے آمدست کو آمدہ است، جنانک کو چنانکہ سے بدل دیا۔(۸)

٧٠ صفحات پر مشتمل اس مقدمہ میں ان امور پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

(۱) ''منابع دربارۂ ہجویری'' کے عنوان کے تحت شیخ کے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں۔

(i) پیران واستادان ہجویری۔

Marfat.com

اس میں درج ذیل کا ذکر کیا۔

ابوالفضل ختلی، ابوالقاسم کرکانی، ابوالعباس شقانی، مظفر حمدان، ابوالقاسم قشیری۔

(ii) آثار ہجویری

اس عنوان کے تحت آپ کی ۹ تصانیف کا ذکر کیا۔

(iii) پیش از ہجویری

اس عنوان کے تحت اللمع فی التصوف، طبقات الصوفیہ، رسالہ قشیریہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ شیخ نے ان کتب سے کس طرح استفادہ کیا۔

(iv) پس از کشف المحجوب

اس عنوان کے تحت تذکرۃ الاولیاء، فصل الخطاب، اور نفحات الانس کا ذکر کیا ہے۔(۹)

(ب) ''کشف المحجوب'' کے عنوان کے تحت اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے درج ذیل امور پر روشنی ڈال ہے

(i) متن ومنابع کشف المحجوب

اس عنوان کے تحت کتاب کے ابواب کا تعارف کروایا ہے۔

(ii) تاریخ تالیف کشف المحجوب

(iii) نثر کشف المحجوب

اس عنوان کے تحت کشف المحجوب کی زبان پر عمدہ مباحث درج کئے ہیں اور اس عنوان پر بہت تفصیل سے لکھا۔

(iv) حاشیہ، ترجمہ ھا، چاپھا

اس حوالے سے کشف المحجوب پر ہونے والے کام کا ڈاکٹر عابدی نے ان الفاظ میں تعارف کروایا۔

Marfat.com

حاشیہ کشف المحجوب: در کتابخانہ، گنج بخش پاکستان، رسالہ ای بانام حاشیہ کشف المحجوب وباشمارہ ۴۰۸۵/۸۹۰ موجود است، دست نوشتہ ایں رسالہ بدون تاریخ کتابت ونام کاتب باخطی ناخوش وبا افتادگیھایی است کہ بعضی از عبارات آن نامفہوم شدہ است۔

نویسندہ این حاشیہ، یا (تعلیق برکلمات کشف المحجوب) عبدالغفور نامی است از صوفیان قادری، واز اشارات او پیدا است کہ با تذکرۃ الاولیای عطار، شعر حافظ وآثار جامی آشنائی دارد۔ از نقد النصوص ونفحات بارھا نام می بردو بہ یکی از رباعیات جامی در باب سوفسطالی استشھاد می کند۔ وحاشیہ او چناں است کہ گوئی کشف المحجوب را خواندہ وتنہا آنچہ را کہ برخلاف نظر خویش دریافتہ توضیح دادہ است (۱۰)

ترجمہ کے عنوان سے اس کتاب کے انگریزی، عربی، اور اردو تراجم کا ذکر کیا۔ اسی طرح اس کی مختلف اشاعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار یہ ۱۲۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی اس کے بعد اس کی مختلف اشاعتوں کا ذکر کیا ہے (۵۶)

(۷) معرفی نسخہ ما

اس عنوان کے تحت اس کے مختلف نسخہ جات، جن سے محقق نے استفادہ کیا، کا ذکر کیا ہے اور نسخۂ اساس الف، ب، ج، د کے عکس بھی دیئے ہیں۔

مقدمہ میں ان چیزوں کا تفصیلی ذکر اس بات کا مظہر ہے کہ مصحح نے اس کتاب کو دقت نظری سے دیکھا۔ اس کے نسخوں کو عمیق نظری سے پرکھا، اور شیخ ہجویری کے عقیدہ مندوں کے لیے ارمغان علمی پیش کیا۔

ص: ا سے ۶۱۰ تک کتاب کا متن ہے۔ جس میں نسخہ جات کے اختلاف کو حواشی میں درج کیا گیا ہے۔ اگلے صفحات میں تعلیقات وتوضیحات میں جو ص: ۹۳۲ تک ہیں۔ ان میں محقق نے انتہائی محنت سے اصطلاحات کی وضاحت، متن کے مشکل اورادق مقامات کی تشریح، آیات،

Marfat.com

احادیث، اقوال اور اشعار وغیرہ کی تخریج کی ہے۔ یہ حصہ محقق کی محنت، اور اس کتاب سے عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

''فہرستھا'' کے عنوان سے محقق نے درج ذیل فہارس مرتب کی ہیں۔

(i) آیات

(ii) احادیث

(iii) اقوال مشائخ (بہ عربی)

(iv) دعاھا و جملہ ھای دعایی

(v) ترکیبات و عبارات خاص عربی

(vi) اشعار عربی (و فارسی)

(vii) داستانھا

(viii) مثلھا و مثل وارہ ھا

(ix) سخنان مؤلف دربارۂ خود

(x) اصطلاحات

(xi) دوگانہ ھا (مترادفات و......)

(xii) لغات و ترکیبات

(xiii) ملل و نحل

(xiv) راہنمای تعلیقات

(xv) اشخاص

(xvi) کتابھا

(xvii) جایھا

Marfat.com

(xviii) مآ خذ مقدمہ و تعلیقات

فہارس کے ان عناوین پر غور کریں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کشف المحجوب پر ہر سکنے والے کام کی مختلف جہات کو ڈاکٹر عابدی نے ان میں سمو دیا ہے۔ ان فہارس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے کتنی زاویہ ہائے نگاہ ہیں جن پر کام ابھی باقی ہے۔ تا حال نسخہ عابدی، سابقہ نسخ کا ناسخ اور خاتم ہے۔ اپنے اس کام کی اہمیت کا ایک رخ ڈاکٹر عابدی نے شیخ ہجویری، کشف المحجوب اور عقیدت مندوں کے نقطہ نظر سے یہ بھی بیان کیا ہے۔

وسخن آخر، آنھا کہ از دیر زماں تربت پاک حضرت ہجویری را با ارادت تمام زیارت کردہ اند، بی تردید بہ انگیزہ تقرب بہ فضیلتھایی است کہ بہ وی نسبت یافتہ اند، واین البتہ علاوہ بر آن است کہ از کشف المحجوب می توان دریافت، شاید خوانندہ کتاب درمیان آنچہ از این اوراق بجستہ برمی آید و آن کہ پیوستہ در حلقۂ آن مریدان حضور دارد، پیوندی صمیمی کشف کند (۱۲)

وہ لوگ جو زمانوں سے حضرت ہجویری کی تربت پاک کی پوری عقیدت کے ساتھ زیارت کرتے چلے آ رہے ہیں، بلاشبہ اس کا محرک حضرت ہجویری سے منسوب فضیلتیں ہیں، اور بیشک یہ فضائل کے علاوہ ہیں جو حضرت ہجویری کے بارے میں کشف المحجوب سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت کے بارے میں کشف المحجوب کے مبارک اوراق سے جو کچھ اخذ ہوتا ہے اور جو کچھ ان کے عقیدت مندوں کے حلقے میں ہمیشہ سے ظاہر ہوتا چلا آ رہا ہے، شاید اس کتاب کا قاری ان دونوں کے درمیان کوئی مخلصانہ تعلق ڈھونڈ نکالے۔

❀ ❀ ❀

Marfat.com

حوالہ جات/حواشی

(۱) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال بال جبریل، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور ۱۹۹۴ء ص: ۴۸۸

(۲) عابدی، ڈاکٹر محمود، مقدمہ کشف المحجوب، سروش تہران، ۱۳۸۷، ص: ۴۱

(۳) ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔

(i) پیغام آشنا اسلام آباد، شمارہ ۲۴، ص: ۴۷۔۵۰

(ii) شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، شیخ سید علی ہجویری کے تفسیری نکات، تصوف فاونڈیشن لاہور، ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ ص ۲۴۔۳۲

(۴) جیسے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ''ہجویری چیئر'' کا قیام جس پر نامور محقق استاذ کبیر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، کام کر رہے ہیں

(۵) ڈاکٹر عابدی کی درج ذیل تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) یک حرف صوفیانہ: سخنانی از عارفان

(۲) نہج البلاغۃ از کیست

(۳) نفحات الأنس من حضرات القدس

(۴) مطلوب کل طالب من کلام علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ

(۵) گوھرھائی پراگندہ (سخنان علی علیہ السلام در نثر فارسی)

(۶) کلمات علیہ غرا (شرح کلمات امیر مومنان علی علیہ السلام)

(۷) فرمان مالک اشتر: ترجمہ عہد نامہ امام امیر المؤمنین علی علیہ السلام

Marfat.com

(۸)فدک درتاریخ

(۱۰)شیعہ وامامت

(۱۱)روضۃ الأنوار

(۱۲)درویش گنج بخش: گزیدہ کشف المحجوب

(۱۳)خردنامہ خردنمای جان امروز

(۱۶)جستجوئی درنہج البلاغۃ

(۱۵)اثبات وجودخدابا روش علمی وفلسفی

(۱۶) ڈاکٹر عابدی سے متعلق معلومات کے لیے درج ذیل ویب سائٹز ملاحظہ فرمائیں۔

1.http://ww.rasekhoon.net/Mashahir

2.http://www.rasekhoon.net/books

3.Http://fa.wikipedia.org/wiki

4.http://cvs.tmu.ac.ir/fa/abedy.htm

5.http://mirasyar.persianblog.ir

6.http://iranf.com/peope

(۶) پیغام آشنا، اسلام آباد شمارہ ۲۱، اپریل جون ۲۰۰۵، ص:۱۹۹۔۲۰۰

(۷) مقدمہ کشف المحجوب ص:۷۰

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً ص:۱۔۳۲

(۱۰) ایضاً ص:۵۵

(۱۱) ایضاً ص:۵۶

Marfat.com

مولانا محمد حسین کا کشف المحجوب کا اردو ترجمہ

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی *

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات پر برتری عطا فرمائی اور یہ اعلان فرما دیا کہ کائنات کی ہر چیز اسی انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ارشاد ہوا:۔"وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض" (۱)

انسان کی اس فضیلت و برتری کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک زبان و بیان کی طاقت وقدرت ہے۔انسان اپنے مافی الضمیر کو مختلف پیرایوں، متنوع انداز اور متعدد اسالیب کے ذریعے ظاہر کر سکتا ہے۔زبان و بیان کی اس قدرت اور قوت کو حق تعالیٰ جل شانہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں" خلق الانسان۔علمہ البیان" (۲) کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو پیدا کیا ایک خاص امتیاز کے ساتھ اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اسے قدرت بیان عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ دوسری مخلوقات کی تسبیح وتحمید کا ذکر کرتا ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے یا اپنی تخلیق اور عادی کیفیات سے اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد وثناء بیان کر رہی ہے لیکن انسان کے علاوہ کسی مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ نے قوت بیان کے عطا کرنے کا ذکر نہیں کیا۔

زبان و بیان کی اس طاقت وقدرت کو ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے لوگ مختلف انداز و اسلوب اور متنوع زبانوں میں کرتے ہیں ۔ ہر علاقے کی اپنی ثقافت ہوتی ہے، ہر قوم ایک مخصوص تمدّن سے وابستہ ہوتی ہے اور ہر زمانہ ایک مخصوص تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے۔اسی

---

* استاذ، شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

طرح ہر قوم اظہار و بیان کے بیان کے لئے اپنی تہذیبی روایات، اپنی ثقافتی اقدار اور اپنے تمدنی شعارات کی روشنی میں کسی زبان کا سہارا لیتی ہے۔ زبان و بیان کا یہ فرق زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ذوالقرنین کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اپنے زیر نگیں سلطنت کے کسی حصے میں پہنچا، وہاں کے لوگ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے چنانچہ اشاروں سے گفتگو ہوئی، ارشاد الٰہی ہے "حتی اذا ابلغ بین السدین وجد من دونھما قوماً لا یکادون یفقھون قولا" (۳)۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ذرائع ابلاغ و سفر اس قدر تیز رفتار نہ تھے، مختلف اقوام وملل کے ایک دوسرے سے وسیع روابط نہ تھے، اس لئے اس بات کی ضرورت کم محسوس ہوتی تھی کہ ایک قوم دوسری قوم کی زبان سیکھے یا اس پر عبور حاصل کرے۔ لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے ذرائع ابلاغ کی وسعت و فراوانی اور اقوام وملل کی کثیر اور وسیع روابط کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ ایک دوسرے کی زبان پر عبور حاصل کیا جائے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کی نقل کردہ روایت کے مطابق روم کے فرمانروا، ہرقل کے پاس نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا اور اس نے عرب تاجروں کی جماعت کو جس کی قیادت ابوسفیان کر رہے تھے، اپنے دربار میں بلایا تو ابوسفیان اور ہرقل میں ترجمان کے واسطہ سے گفتگو ہوئی۔ (۴)

ترجمہ نگاری کا آغاز کب اور کیسے ہوا، یہ میرا موضوع نہیں۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اردو اب اس سلسلہ میں کسی بڑی سے پیچھے نہیں ہے۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں علوم دینیہ کی خدمات سے قبل درس و تدریس کے ذریعہ دینی خدمات کا آغاز برصغیر میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سندھ میں ہوا۔ دوسری اور تیسری صدیوں میں خدمات علم کا یہ کام غیر منظم اور کسی حد تک انفرادی سطح تک محدود رہا۔ چوتھی صدی ہجری سندھ میں مختلف مراکز درس قائم ہوئے اور چند ہی صدیوں میں علم و عرفان کے یہ مراکز برصغیر کے دوسرے مقامات پر بھی قائم ہونے لگے۔ ان مراکز میں درس و تدریس کے ساتھ

Marfat.com

تحقیق وتصنیف کا کام بھی سرانجام دیا جانے لگا،اس طرح برصغیر میں خدمات دین کا ایک وقیع اور وسیع باب کھل گیا۔(۵)

برصغیر میں خدمات دین پر تصنیف کی ابتداء اگرچہ عربی وفارسی سے ہوئی تھی لیکن بعد ازاں ان خدمات میں اردوزبان نے ایک نوآموز زبان ہونے کے باوجود نہ صرف سبقت حاصل کرلی بلکہ سرخیل کی حیثیت اختیار کرلی۔تفسیر،حدیث،فقہ،عقائد،تصوف واخلاقیات اور سیرۃ و تاریخ غرضیکہ کوئی شعبہ دین ایسانہیں کہ اردوزبان خدمت دین میں پیچھے رہی ہو۔اور پھران تمام شعبوں میں یہاں کی تہذیب وثقافت تمدن ومعاشرت اور علمی رجحانات کی روشنی میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔چنانچہ برصغیر کا اپنا ایک تفسیری ادب ہے، یہاں کی خدمات حدیث تاریخ کا ایک وقیع حصہ ہیں۔یہاں کی خدمات فقہ وقانون اسلامی ایک روشن ستارہ ہیں اور یہاں پر سیرۃ کا اسلوب نگارش ایک منفرد اسلوب ہے۔

اردونثر کی ابتداء کے بارہ میں مورخین کی آراء مختلف ہیں البتہ اس قدر ثبوت ضرور ملتا ہے کہ اردو ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کے پیش نظر معرض وجود میں آئی۔چنانچہ سعد غلام محی الدین قادری لکھتے ہیں۔نثر اردو کی ابتداء خواہ کسی زمانے میں کیوں نہ قرار دی جائے ،اس امر کو ماننا پڑے گا کہ دکن میں اس کی بنا تعلیم وتبلیغ ہی کی خاطر ڈالی گئی تھی''۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری سے قبل کے اکثر کارنامے مذہبی مباحث پر ہی مبنی ہیں۔شیخ عین الدین گنج العلم کے جو تین رسالے سینٹ جارج کالج کے کتب خانے میں پائے گئے ان تینوں میں بھی فرائض وسنن ہی کے متعلق متفرق احکام ومسائل لکھے گئے۔(۶)

بزرگان دین کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مریدوں اور نومسلموں کے تزکیہ نفس اور تعلیم کی خاطر مذہبی مسائل کو عام فہم کردیتے جس کا سرانجام پانا مقامی بولیوں میں تحریر وتقریر سے کام لئے بغیر ناممکن تھا۔چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اردو میں سب سے پہلے مذہبی الفاظ کا اچھا

Marfat.com

خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔(۷)۔معلوم ہوا کہ مصنف کے دعویٰ کے مطابق دین اسلام اوراس کے احکام ومسائل کا حصول اردو زبان کی ترویج کا سبب بنا اور یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس زبان میں احکام شریعت سے متعلق الفاظ واسطلاحات کا ایک وسیع ذخیرہ ابتدائی زمانہ میں ہی جمع ہو گیا بلکہ بقول قادری قوم کے مذہبی رجحان کی وجہ سے زبان بھی مذہبی بن گئی۔(۸)معلوم ہوا کہ اردو اپر اور اردو بولنے پر مذہبی رنگ غالب تھا۔یہی وجہ ہے کہ تاریخ اردو کے ابتدائی دور میں جو کتب تالیف کی گئیں تصوف،شریعت اوراخلاق کے موضوع پرعربی اورفارسی سے ماخوذ ہیں اوران میں عقائدومسائل اور تصوف وطریقت کوقرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔(۹)

اردو میں لکھی جانے والی ان تصانیف کو دوحصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔دینی موضوعات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی پرطبع زاد کتب تالیف کی گئیں اورعربی وفارسی کتب کے اردو تراجم کیے گئے۔علوم دینیہ پر بنیادی مصادرعربی میں تھے۔ان مصادر کتب کا اردو ترجمہ کیا گیا۔

نثاراحمد قریشی کے مطابق اردو میں نثری تراجم کا آغاز سترھویں صدی کے آغاز سے ہوتا ہے۔قریشی صاحب ملاوجہی کے سب رس۔(۱۶۳۵ء) کواردو ترجمہ نگاری میں اولین کاوش قرار دیتے ہیں۔

کشف المحجوب۔۔۔۔حضرت علی ہجویریؒ کی زندۂ جاوید کرامت

دسویں اور گیارھویں صدی میں صوفیاء کرام نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا تا کہ ملاحدہ اور حلولیوں نے تصوف کے بارے میں جوغلط فہمیاں پھیلا دیں تھیں اورجن کے نتیجے میں علمائے ظاہر یہ سمجھنے لگے تھے کہ تصوف اسلامی شریعت سے کوئی متصادم اور متضاد نظریہ وطریق ہے ان کا ازالہ ہو سکے۔شیخ ابونصر السراج کی کتاب اللمع اور شیخ ابوبکر کی کتاب التعرف یارسالہ قشیریہ وغیرہ اسی سلسلے کی کوششیں ہیں۔مگر یہ ساری کتابیں عربی میں تھیں جن سے فارسی بولنے والے کے علاقے

Marfat.com

کے عوام مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔فارسی میں اس موضوع پر پہلی کتاب کشف المحجوب ہے۔حضرت علی ہجویریؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اپنی تقریباً نو دس تالیفات کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن دستبرد زمانہ سے وہ ساری کی ساری تالیفات ضائع ہوگئیں۔''کشف المحجوب'' کا محفوظ رہ جانا شاید حضرت کی کوئی کرامت ہی ہے ورنہ یہ کتاب بھی معرض تلف میں تھی۔

محققین وصوفیاء کی رائے

تمام اکابر صوفیہ،تذکرہ نگار اور محققین بالاتفاق کشف المحجوب کی عظمت کو تسلیم کرتے اور اس کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔مثلاً خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔

کشف المحجوب شیخ علی ہجویری قدس اللہ روحہ العزیز کی تصنیف ہے اگر کسی کا پیر نہ ہو جب وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے پیر مل جائے گا میں نے اس کتاب کا بتمام وکمال مطالعہ کیا ہے۔(۱۰)

کشف المحجوب کے مابعد کے صوفی لٹریچر پر اثرات

کشف المحجوب ایک جامع الصفات اور متنوع الجہات کتاب ہے۔مزید یہ کہ فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر یہ پہلی کتاب مانی جاتی ہے لوئی عباسی نے مقدمہ میں لکھا ہے

قدیم ترین کتاب بزبان فارسی است دس تصوف(۱۱)

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتاب بیک وقت اکابر صوفیہ کا جامع اور بسیط تذکرہ بھی ہے اور تاریخ بھی اور داستان ارتقاء بھی اس کا ایک تذکرے سے متعلق پہلو ہے۔ایک تاریخی اور ایک اصلاحی اور مشاہداتی۔چنانچہ مابعد کے تذکرہ نویس،مورخین،تصوف،صوفیہ اور سالکین سب نے اپنے اپنے انداز میں اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور سب نے بالاتفاق کتاب وصاحب کتاب کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

حضرت فریدالدینؒ نے تو اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب کے صفحے کے

Marfat.com

صفحے نقل کئے ہیں جس کی تفصیل لوع عباسی نے اپنے مقدمہ میں دی ہے (من شاء فلیراجع)۔

روسی مستشرق ژوکوفسکی نے ان حضرات اکابر صوفیہ رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں جن کے تذکرے کے سلسلے میں حضرت عطارؒ نے کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

خواجہ حسن بصری	(کشف:۱۰۴)	(تذکرۃ الاولیاء: جلد۱: صفحہ۳۶)
ابوحازم المکی	(کشف:۱۱۱)	(تذکرہ : جلد۱: صفحہ ۵۷)
ابوسلیمان دارانی	(کشف:۳۹۹)	(تذکرہ: جلد۱: صفحہ۲۲۹)
عمروالمکی	(کشف:۳۹۹)	(تذکرہ: جلد۲: صفحہ۳۷)
مرتعش	(کشف:۶۰)	(تذکرہ: جلد۲: صفحہ۱۶)
محمد ترمذی	(کشف:۱۷۹)	(تذکرہ: جلد۲: صفحہ۹۳)
عبداللہ خفیف	(کشف:۵۷)	(تذکرہ: جلد۲: صفحہ۱۲۵)
حسین حلاج	(کشف:۱۹۰)	(تذکرہ: جلد۲: صفحہ۱۳۵)

۲۔ عطار کی طرح مولانا جامی نے بھی اپنی کتاب ''نفحات الانس'' کی ترتیب میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب سے استفادہ کیا۔ حضرت ابوالفضل الختلیؒ اور حضرت اشخانیؒ اور خود حضرت ہجویریؒ کے حالات مولانا جامی نے کشف المحجوب سے اخذ کئے ہیں اور حوالہ بھی دیا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکتوبات میں کشف المحجوب کی عبارتوں کو استناداً نقل فرمایا ہے۔

۴۔ ژوکوفضلی نے بتلایا ہے کہ خواجہ محمد پارساؒ نے اپنی عظیم کتاب ''فصل الخطاب'' میں کشف المحجوب سے استفادہ فرمایا۔

۵۔ خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ نے اپنے مکتوبات شریف میں حضرت ہجویری کے ایک قول کو اس انداز

میں نقل فرمایا اپنے مقدمہ کشف المحجوب میں ژوکوفسکی لکھتا ہے

سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، نامہ دانشوران اور طرائق الحقائق کی تالیف و تدوین میں بھی کشف المحجوب سے بہت استفادہ کیا گیا اور اس کے اقتباسات بار بار لائے گئے۔

الغرض تقریباً ایک ہزار سال سے یہ کتاب علماء، صوفیہ، تذکرہ نگاروں اور مورخین کے لئے چراغ ہدایت بنی ہوئی ہے اور اس کتاب میں جو قیمتی نکات و معلومات ہیں ان کے باعث انشاء اللہ العزیز قیامت تک سالکین کاملین اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

البتہ ضرورت ہے کہ اس کتاب میں ڈوب کر اور قلب کو تمام فاسد خیالات اور بد عقیدگی سے پاک کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے ورنہ انسان محروم رہے گا۔

کشف المحجوب کے تراجم:

پروفیسر نکلسن (م ۱۹۴۵ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں گب میموریل لندن نے شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا نظر ثانی شدہ اڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اسکا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔ (۱۲)

بیس سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بارہا شائع ہوئے۔ اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔ (۱۳)

ترجمہ مولانا مولوی محمد حسین مناظر گوندلا لیناوالا

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کشف المحجوب متعدد تراجم مقبول ہوئے لیکن ہمارے پیش نظر اس وقت مولانا مناظر حسین گوندلا لیناوالا کا ترجمہ ہے جو کشف المحجوب کے چند قدیم ترین اردو تراجم میں سے ہے۔ (۱۴)

مولانا کا یہ اپنی زباو بیان کے اعتبار بہت شستہ اور قدیم اردو ادب کا خوبصرت نمونہ ہے، مولانا

Marfat.com

ایک مقام کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صوفی ایسا نام ہے کہ اس نام سے بڑے بڑے کامل ولیوں اور محقق اولیاء کو پکارتے ہیں اور پکارتے رہے ہیں اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ ارشاد فرماتا ہے کہ من صفا الحب فھو صاف و من صفا الحبیب فھو صوفی۔ یعنی وہ شخص جو ساتھ محبت سے مصفا ہوتا ہے وہ صافی ہے اور جو شخص دوست کی محبت میں غرق ہو اور غیر دوست سے بری ہو وہ صافی ہوتا ہے اور لغت کی رو سے اس اسم کا مشتق ہونا جائز نہیں کیونکہ لفظ صوفی جس سے مشتق کرو گے وہ اس کی جنس کا ہوگا کیونکہ اشتقاق جنسیت باہمی کا خواہاں ہے اور جو تیرگی والا ہے وہ صفا کی ضد ہے۔ اور کسی چیز کا اشتقاق اس کی ضد سے نہیں کر سکتے۔ پس یہ معنی اہل تصوف کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن ہیں نہ تو عبادت کی حاجت رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی اشارہ کے محتاج ہیں۔ (۱۵) تصوف کے ذخیرہ ادب میں عام طور روح کی بحث بہت پیچیدہ اور ناقابل فہم ہوتی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے مولانا مناظر نے بڑی خوبصورتی سے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا مولانا لکھتے ہیں:

پس ایک گروہ نے کہا ہے الروح ھو الحیٰوۃ التی یحیی بہ الجسد یعنی روح وہ ایک زندگی ہے کہ بدن اس سے زندہ ہوتا ہے اور متکلمین کے ایک گروہ کا بھی یہی خیال ہے اور اس معنی کی روح سے روح عرض ہے اس لئے کہ حیوان کی زندگی اللہ عزوجل کے حکم سے اس کے ساتھ ہے، اور رغبت، اور الفت اور اجتماع کی حرکت اسی سے ہے، اور ایسے ہی ہیں وہ اعراض کہ جن سے شخص ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہوتا ہے، اور دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ ھو غیر الحیوۃ و لا یوجد الحیوۃ الا معھا کما لا یوجد الروح الا مع البنیۃ و ان لا یوجد احد ھما دون الاخر کا الالم و العلم بھا لا نھما شیان لایفترقان یعنی روح زندگی کے ماسوا ایک چیز ہے مگر زندگی کا وجود اس سے قائم ہے جیسا کہ روح نہیں پائی جاتی مگر ساتھ جسم کے

Marfat.com

اوران میں سے ایک دوسرا ایک دوسرے کے سوانہیں پایا جاتا جیسے درداوراس کا علم اس لئے کہ وہ دونوں چیزیں جدانہیں ہیں۔اوران مضوں سے بھی عرضی ہوتا ہے جیسا کہ زندگی۔اور پھر جمہور مشائخ اور بہت سے اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ روح جوہر ہے،عرض نہیں کہ جب وہ قالب سے پیوست ہوتا ہے،تو خداوندکریم کی مجریہ کے مطابق قالب میں زندگی پیدہ ہوجاتی ہے ،اور آدمی کی زندگی صفت ہے،اوراس کی زندگی اسی کے ساتھ ہے،مگر روح اس کے جسم میں امانت رکھی گئی ہےاور یہ بھی جائز ہوسکتا ہے،کہ وہ آدمی سے جداہووےاور وہ مرنے کے بعد زندہ رہے۔جیسا کہ خواب کی حالت میں روح چلی جاتی ہےاور وہ زندہ رہتا ہےمگر یہ جائزنہیں کہ اس کے چلے جانے کی حالت میں عقل اور علم رہے،اس لئے کہ پیغمبرﷺ نے فرمایا ہے کہ ارواح شہداء کے پرندوں کے پوٹوں میں رہتے ہیں۔پس لامحالہ اس کا جوہر ہونا ضروری ٹھرا۔اور پیغمبرﷺ نے فرمایا ہے الالوواح جنود مجندہ اور جنود کا باقی رہنا ضروری ہے۔اور عرض پر بقاء جائزنہیں ہوتی اور عرض اپنی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہوتا پس وہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے جو کہ خدا کے حکم سے آتا ہےاوراسی کے حکم سے جاتا ہے۔(۱۶)

غرضیکہ مولانا کا یہ ترجمہ اردوادب کا ایک عظیم شاہکار ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی محقق اس جانب متوجہ ہواوراس ترجمہ کوتدوین اور تحقیق جدید تقاضوں کے مطابق ابواب و فصول کی تصریحات اورفہارس کے ساتھ شائع کرے۔

❁ ❁ ❁

حواشی

(۱) القران الکریم:۳۱:لقمان:۲۰

(۲) القران الکریم:۵۵:الرحمن ۳،۴

Marfat.com

(۳) القرآن الکریم:۱۸:الکہف:۹۳

(۴) بخاری الجامع الصحیح ج ۱؛باب کیف کان بدء الوحی

(۵) تفصیلات کے لیئے دیکھیئے: محمد سعد صدیقی علمِ حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت،شعبہ تحقیق قائدِ اعظم لائبریری

(۶) قادری،غلام محی الدین،اردو کے اسالیب بیان،حیدر آباد دکن،۱۹۲۷ء:ص ۲۶

(۷) حوالہ مذکور

(۸) حوالہ مذکور

(۹) حوالہ مذکور

(۱۰) ہاشمی،سید محمد متین مولانا،سید ہجویر،لاہور،معارف مرکز اولیاء ۱۹۸۵ء:ص ۲۴۲

(۱۱) حوالہ مذکور

(۱۲) کشف المحجوب،مترجم ابو الحسنات سید محمد احمد قادری،تحقیق وتخریج؛ ڈاکٹر خالقداد ملک،ڈاکٹر طاہر رضا بخاری: مرکز معارف،۲۰۱۲ء:ص ۵۲

(۱۳) حوالہ مذکور

(۱۴) کشف المحجوب اردو ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر گوندلالیانوالیہلاہور سے ملک دین محمد نے شائع کیا ہے اس پر سالِ اشاعت بھی درج نہین اور فہرست مضامین بھی ندارد

(۱۵) کشف المحجوب۔اردو ترجمہ مولانا محمد حسین۔صفحہ:۴۱

(۱۶) ایضا:ص:۳۱۷۔۳۱۶

❀ ❀ ❀ ❀

کشف المحجوب ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری پر ایک نظر

تحریر: پروفیسر محمد الیاس اعظمی *

مخدوم الکل حضرت سیّد علی ہجویری قدس سرہٗ کے ہمہ جہتی فیوضات میں سے اہم ترین اور نمایاں ترفیض آپ کی کتاب کشف المحجوب ہے، جوان شاء اللہ تعالیٰ تا ابد جاری رہے گا۔ خدا جانے وہ کس قدر مقبولیت کا وقت ہوگا؟ جب اس محبوب حق اور مرد کامل نے اس صحیفہ علمی کو اپنے خزائن علمی وفکری سے سینۂ قرطاس پر منتقل کیا ہوگا۔ آپ کے پاکیزہ خیالات، روحانی تصورات اخلاص وخلوص کی کن بلند چوٹیوں پرمحو پرواز ہوں گے کہ بارگاہ قدس سے اس صحیفۂ تصوف کو وہ مقبولیت عطا کی گئی کہ اس کے منصۂ شہود پر طلوع کرنے سے لے کرتا دم تحریر اس کے انوار فزوں تر دکھائی دیتے ہیں۔ کشف المحجوب میں پیش کردہ متصوفانہ نظریات کی صداقت، ثقاہت وحقانیت کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کے اس صحیفۂ علمی کے منظر عام پر آنے کے بعد سے لے کراب تک لکھی جانے والی کتب تصوف کے مآخذ کے طور پر اس سے استناد کیا گیا ہے، بلکہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم بھی کئے گئے ہیں۔ یوں ہر دور میں صوفیا کرام اور طالبین راہ حق نے کشف المحجوب کو سرمۂ چشم بنایا ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ سلطان

---

* پروفیسر، منہاج یونیورسٹی، لاہور۔

Marfat.com

المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلویؒ قدس سرہ (م ۷۲۵ھ) فرمایا کرتے تھے۔

''اگر کسے راہ پیری نہ باشد چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود''۔(۱)

ترجمہ ''اگر کسی کا کوئی مرشد نہ ہوتو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اسکو مرشد مل جائے گا۔''

تراجم کشف المحجوب

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی اس تصنیف منیف کی مقبولیت کی دوسری بڑی شہادت یہ بھی ہے کہ اب تک دنیا کی بڑی زبانوں میں اس کے دسیوں تراجم اور اس کی تسہیلات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ صرف اردو زبانوں میں ہی اس کے تراجم کی تعداد کم و بیش ۲۰ سے زائد ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر سلوک و تصوف کی راہ پر چلنے والوں کو رہنمائی فراہم کر رہے ہیں۔ چند مشہور تراجم درج ذیل ہیں:

۱۔ کشف المحجوب اردو مترجم مولوی محمد حسین مناظر گوندلانوالیہ ضلع گوجرانوالہ، ملک دین محمد اینڈ سنز ناشران کتب کشمیری بازار لاہور، س،ن

۲۔ کشف المحجوب اردو مترجم علامہ مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی نظر ثانی علامہ اسد نظامی، نوری بک ڈپو گنج بخش روڈ لاہور، س،ن

۳۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ از فضل الدین گوہر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور اکتوبر ۲۰۰۶ء (مقدمہ از پیر محمد کرم شاہؒ الازہری)

۴۔ کشف المحجوب ترجمہ از سید محمد فاروق القادری، فرید بک سٹال لاہور، طبع دوم ۲۰۰۱ء

۵۔ کشف المحجوب ترجمہ از میاں طفیل محمد، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ لاہور، پاکستان، س،ن

۶۔ گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب ترجمہ از پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی ناشران

Marfat.com

قرآن لمیٹڈ لاہور، س ن

۷۔ بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب از مولوی فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۷۰ء

۸۔ انوار القلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب از نشتر جالندھری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۰ء

۹۔ کشف المحجوب اردو از واحد بخش سیال، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۰۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ از محمد علی چراغ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔

۱۱۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ از محمد الطاف نیروی

۱۲۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

مذکورہ بالا ان تراجم کے علاوہ اردو زبان میں اور بھی بہت سے تراجم موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل علم نے اس آئین تصوف پر مشتمل تاریخی دستاویز کو اردو اور دیگر زبانوں کے قالب میں ڈھالنے کو اپنے لیے سعادت خیال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بقول عظیم محقق حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔

> ''حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف منیف کشف المحجوب، جو انہوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے۔''(۲)

حضور داتا گنج بخش کے اس صحیفۂ رشد و ہدایت کا فیض عام کرنے کے لیے اس کے تراجم خصوصاً اردو زبان میں ترجمہ کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

زیر نظر اس مقالہ میں ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کے اردو ترجمہ کے حوالے سے چند

Marfat.com

اہم پہلوؤں پر بحث کرنا مطلوب ہے تاکہ علامہ قادری مرحوم کے اس علمی شاہکار کے محاسن کو اجاگر کیا جائے جو اس ترجمہ کو دیگر تراجم سے ممتاز کرتے ہیں۔

تعارف مترجم

حضرت علامہ سید ابوالحسنات محمد احمد قادری (۱۸۹۶ء۔۱۹۶۱ء) بن حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ (۱۸۵۶ء۔۱۹۳۵ء) متنوع علوم وفنون کے ماہر، بے مثل خطیب، طبیب اور بہترین قاری اور مفسر قرآن تھے۔(۳) آپ محض عالم دین اور مبلغ ہی نہ تھے بلکہ مبدا فیض نے آپ کو گوناں گو اوصاف سے نواز رکھا تھا۔ چنانچہ آپ بلند نگاہ مدبر اور ژرف نگاہ مفکر بھی تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسلامیان ہندو پاک کی ہر مشکل وقت میں فکری و عملی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے مشہور مورخ محمد صادق قصوری آپ کی قومی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''تحریک پاکستان میں آپ نے شاندار خدمات سرانجام دیں، ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا اور اس کے پروگرام کو عوام تک پہنچانے کے لیے شب و روز مصروف رہتے تھے۔ علمائے پنجاب میں سب سے پہلے آپ ہی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔''(۴)

تحریک پاکستان، جہاد کشمیر، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء وغیرہ اور ایسی دیگر تحریکات جن کو آپ نے مسلمانوں کے مفاد میں اہم جانا، اس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس راہ میں مصائب و مشکلات کو برداشت کیا یہاں تک کہ قید و بند کی صعوبتیں بھی آپ کو اٹھانا پڑیں۔ شیخ اسماعیل پانی پتی حضرت موصوف کی ان کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کا جو ہولناک طوفان مغربی پاکستان میں برپا ہوا اس کا مرکز یہی مسجد وزیر خاں تھی اور مولانا ''مجلس عمل'' کے صدر تھے۔ اس سلسلہ میں قید و بند کی تکالیف بھی آپ کو بھگتنی پڑیں۔''(۵)

Marfat.com

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مسجد نشین ہونے کی بجائے میدان عمل میں اتر کر اہلیان پاکستان بالخصوص علماء و مشائخ جن کی تاریخی کوششوں کے نتیجہ میں ایک آزاد اسلامی مملکت پاکستان کی صورت معرض وجود میں آیا تھا ان کو منظم کر کے قیام پاکستان کے مقاصد کو حاصل کرنے، وطن عزیز کو نظام مصطفیٰ کا عملی گہوارہ بنانے اور ایک فلاحی ریاست کے روپ میں ڈھالنے کے لیے، عملی کردار ادا کیا، اور ۱۹۴۸ء میں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کے ساتھ مل کر جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد رکھی۔ ۲۶ تا ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں ہونے والے اس تاسیسی اجلاس میں متفقہ طور پر آپ کو اس نوزائیدہ تنظیم کا صدر منتخب کیا گیا جب کہ حضرت علامہ کاظمیؒ کو ناظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

صدر جمعیت منتخب ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے آپ نے کشمیری مسلمان بھائیوں پر بھارت کی طرف ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور فتویٰ دیا کہ

> یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنی چاہیئے۔ جمیعیت علمائے پاکستان کی تحریک پر ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ صدر جمیعت نے بنفس نفیس احباب سمیت محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی ہمت افزائی کی اور انہیں سامان ضرورت مہیا کیا۔ ان مساعی جمیلہ کی بنا پر آپ کو ''غازی کشمیر'' کا لقب دیا گیا۔'' (۶)

یوں ایک بھرپور زندگی گزار کر اسلام کا یہ عظیم مجاہد آخر کار ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء بروز جمعۃ المبارک اس دار الفناء سے دار البقاء کو رحلت فرما گیا اور اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ (۷) اور صاحب کشف المحجوب کے دامن میں آرام فرما ہیں۔

تصانیف وتالیفات

حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے اپنی متنوع قسم کی مصروفیات کے

Marfat.com

باوجود قلم وقرطاس کے ساتھ بھی گہرا رشتہ قائم رکھا۔ چنانچہ اس حیات ظاہری سے چلے جانے کے بعد بھی ان کے علمی کارنامے تا قیامت ان کا نام زندہ رکھیں گے۔ آپ کے علمی وتاریخی کارناموں میں درج ذیل تصانیف وتراجم شامل ہیں۔

۱۔ تفسیر الحسنات

۲۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ،

۳۔ اوراق غم

۴۔ مخمس حافظ

۵۔ مدس حافظ

۶۔ ترجمہ کشف المحجوب

۷۔ مرزائیت پر تبصرہ (۸)

ترجمہ کشف المحجوب

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری کی مشہور عالم کتاب ''کشف المحجوب''، جس کی اصل زبان فارسی ہے یوں تو درجنوں ارباب علم وکمال نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے مگر ان تراجم میں سے ایک ہمارے ممدوح حضرت علامہ مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادریؒ کا ترجمہ ہے۔ جس کا تاریخی نام مترجم نے ''الکلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب'' رکھا ہے مولانا قادری مرحوم کا یہ ترجمہ کئی پہلوؤں سے دیگر تراجم میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ آئندہ سطور میں زیر نظر اس ترجمہ کے معنوی خصائص کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کشف المحجوب کے ترجمہ ابوالحسنات قادری کا ادبی جائزہ لینے سے پہلے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ کسی بھی زبان میں لکھی گئی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنے یعنی اس کا ترجمہ

کرنے سے پہلے لازمی ہے کہ مترجم ان دونوں زبانوں سے محض آگاہ ہی نہ ہو بلکہ وہ دونوں میں کامل عبور رکھنے والا ہو۔ان دونوں زبانوں کے محاوروں سے آگاہ ہو ان کے مختلف اسالیب بیان سے شناسا ہو، ان دونوں زبانوں کے صرفی ونحوی قواعد میں مہارت بھی رکھتا ہو۔تب کہیں وہ کسی تحریر کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا حق ادا کرے گا بصورت دیگر وہ ترجمہ کی گئی تحریر، کتاب کے حسن معنوی کو نہ صرف گھنا کر رکھ دے گا بلکہ امکان غالب یہ ہے کہ مصنف کے معنی ومفہوم اور مقصد کو ہی ختم کر کے رکھ دے گا اس طرح وہ علمی دنیا میں خرابی بسیار کا سبب بنے گا۔

اس پہلو سے جب ہم مولانا ابو الحسنات قادری کو دیکھتے ہیں تو موصوف جہاں علوم عربیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے وہاں وہ فارسی زبان و بیان پر بھی عبور رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے وقت کے فارسی ادب کے ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے اور بالخصوص قدیم فارسی میں مہارت تامہ حاصل کی۔اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ جب ایسا فاضل یگانہ کشف المحجوب کو فارسی سے اردو زبان میں منتقل کرے گا تو پھر اس کا ترجمہ یقیناً دیگر تراجم سے ممتاز ومنفرد ہوگا۔

علامہ ابو الحسنات قادری کے ترجمہ کشف المحجوب کی چند نمایاں خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

ا۔علمی وادبی زبان

الکلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب کی سب سے پہلی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے فاضل ترجمہ نگار نے خالص علمی وادبی اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔بایں وجہ قاری اس کو پڑھتے ہوئے بوریت محسوس نہیں کرتا آئندہ سطور میں ہم اپنے اس دعویٰ کی تصدیق چند اقتباسات پیش کرنے کی صورت میں کرتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی اس کتاب میں پہلا باب اثباتِ علم کے بارے میں قائم

کیا ہے جس میں علم اور علماء کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کو واضح کیا ہے کہ علم اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں اس لیے علم بغیر عمل کے اور عمل بغیر علم کچھ نہیں ہے داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

”از عوام دیدم گروھی که علم رابر عمل فضل نهادند و گروهی عمل را بر علم و ایں هر دو باطل است. از انکه عمل بی علم خود عمل نباشد که عمل آنگاه عمل گردر که موصول علم بود تا بنده بداں مر ثواب حق را متوجه گرد چوں نماز که تانخست علم ارکان طهارت نبود و علم شناختن آب وعلم معرفت قبله و علم کیفیت نیت و ارکان نماز نبود چوں عمل بعین علم عمل می گردد چگونه جاهلاں را ازیں جدا کند و آناں که علم رابر عمل فضل نها دند هم محال است که علم بی عمل علم نباشد“ (۹)

علامہ ابوالحسنات قادری مذکورہ اقتباس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا کہ وہ علم پر عمل کو فضیلت دیتا ہے اور ایک جماعت دیکھی ہے جو عمل پر علم کو مقدم رکھتی ہے اور درحقیقت یہ دونوں باطل پر تھے، اس لیے کہ عمل بغیر علم عمل نہیں کیوں کہ عمل، عمل جب مانا جاتا ہے کہ جب اس کا علم ہو۔ عمل کنندہ جانے کہ اس عمل سے ہمیں یہ ثواب یا درجہ ملے گا جیسے نماز اور اس کی صحت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نماز پڑھنے والا احکام طہارت کا علم نہ حاصل کرلے اور جب تک پانی کے پاک ہونے کا علم نہ ہو جائے وضو صحیح نہیں ہوسکتا۔

قبلہ کی سمت کا اگر علم نہیں، نماز درست نہیں اسی طرح جب تک نیت کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم نہ ہو نماز بے کار ہے۔ اسی طرح اگر ارکان نماز نہیں جانتا تو نماز کہاں

Marfat.com

درست ہوسکتی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عمل علم سے قریب ہوتا ہے تو وہ جاہل جو علم کو عمل سے علیحدہ کر رہا ہے اور علم کو عمل پر فضیلت دے رہا ہے۔ محض لغو اور بنا علی الباطل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم کا وجود بغیر عمل نہیں ہے۔"(۱۰)

علم اور عمل کے باہمی تلازم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نام عالمی بی عمل از عالماں نفی کرد"(۱۱)

گویا رب جلالہ نے بے عمل عالم کا نام علماء کی جماعت سے بے عمل ہونے کی وجہ سے نکال دیا۔"

راقم کے پیش نظر اس وقت علامہ قادری مرحوم کے ترجمہ کے علاوہ تین مختلف تراجم ہیں۔

۱۔ السلوک الی المحبوب فی ترجمۃ کشف المحجوب ترجمہ از مفتی سید غلام معین الدین نعیمی مطبوعہ الحمد پبلی کیشنز، چوک پرانی انارکلی لیک روڈ لاہور اشاعت ۲۰۰۰ء اس پر علامہ شمس بریلویؒ کا دیباچہ صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۲۴ تک پھیلا ہوا ہے۔(۱۲)

۲۔ کشف المحجوب، مترجم علامہ مفتی حکیم غلام معین نعیمی، مطبوعہ نوری بک ڈپو گنج بخش روڈ لاہور، اس پر علامہ اسد نظامی نے نظر ثانی کی ہے جب کہ مقدمہ جس میں حضرت داتا صاحب کے سوانحی حالات لکھے گئے ہیں عبدالصبور شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے لکھا ہے اور پیش لفظ کے عنوان سے کتاب کا مختصر تعارف رؤف احمد نوشاہی نوری قادری کا لکھا ہوا ہے۔(۱۳)

۳۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز، اس پر ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں مصنف کے سوانح کے علاوہ کتاب میں موجود تمام ابواب کا خلاصہ بڑی مہارت کے ساتھ لکھا گیا ہے مگر مقدمہ نگار کا نام کہیں

Marfat.com

نہیں دیا گیا۔(۱۴)

۴۔ کشف المحجوب ترجمہ از میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز شاہ عالم مارکیٹ لاہور، س، ن

محولہ بالا تراجم کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس خوبصورتی اور لفظی ابہام سے بالا علامہ قادری کا ترجمہ ہے دیگر تراجم میں وہ رعنائی نہیں پائی جاتی۔ بالخصوص میاں طفیل محمد نے بظاہر داتا صاحب کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر مقامات پر پہروں کے پہرے اور کئی صفحات قلم زد کردیئے ہیں بطور مثال سابقہ سطور میں پیش کردہ اقتباس کا ترجمہ سرسے کیا ہی نہیں گیا۔

اسی طرح مفتی غلام معین الدین نعیمیؒ کا ترجمہ بھی اکثر مقامات پر محض ترجمانی ہے مگر اس کے باوجود مفتی صاحب مرحوم نے کسی پہرے کو چھوڑا نہیں ہے جس طرح میاں طفیل محمد نے کیا ہے۔

سلاست وروانی

زیر مطالعہ کشف المحجوب کے ترجمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مطالعہ کرتے ہوئے قاری یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اصل تحریر پڑھنے کا لطف لے رہا ہے نہ کہ ترجمہ۔ اس لیے کہ عبارت میں پائی جانے والی سلامت وروانی ایسے ہے جیسے پرسکون دریا کا پانی بہہ رہا ہو نمونہ کے لیے حضرت سیدنا امام خواجہ حسن بصری نے معتزلہ کی شورش پر سبط رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ کی بارگاہ میں راہنمائی کے لیے جو عریضہ لکھا تھا، حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے اس خط اور جواب میں حضرت امام حسن کے جواب کو بھی نقل کیا ہے۔ امام حسن بصری کے خط کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

سلام ہو آپ پر اے فرزند سرور عالم اور نور چشم رسول اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر ہمیشہ رہیں۔ آپ لوگ بنی ہاشم ہمارے لیے مثل ایسی کشتی کے ہیں جو موجزن دریا متلاطم میں چل رہی ہو اور آپ وہ ستارے ہیں کہ جو ان کی پیروی اور راہنمائی کے مطابق چلا اس کو اس میں امن مل گیا اور جو آپ لوگوں کی پیروی کرے گا نجات پائے گا جس طرح کشتی نوح میں سوار نجات پا گئے اور مومن ہو گئے فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے اے ابن رسول اللہ! ہمارے اس تحیر میں جو قدریوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور وہ اختلاف جو اپنی اپنی معلومات کے ماتحت پیدا ہو گیا ہے تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ اس وقت آپ کا کیا مسلک ہے۔ اس لیے کہ آپ اہل بیت نبی کریم سے ہیں اور ہمارا عقیدہ کہ آپ کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ذات پاک آپ کی نگہداشت اور محافظت میں ہے اور آپ مخلوقات کے محافظ ہیں اور ان کے گواہ والسلام۔" (۱۵)

ترجمہ اور ترجمانی کا امتزاج

ایک اچھے اور بہترین ترجمہ کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ ترجمہ اور ترجمانی دونوں کی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہو، اس اعتبار سے حضرت علامہ ابوالحسنات قادری کا ترجمہ اپنے اندر ان دونوں اوصاف کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سموئے ہوئے ہے۔ جس کی واضح مثال درجہ ذیل اقتباس کا ترجمہ ہے۔

آداب صحبت بیان کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

"وشرط صحبت ایشاں آنست کہ ہر کسی را اندر درجۂ وی بشناسد تا با پیر بحرمت بودن و با ہمچناں بعشرت زیستن وبا کود کاں، بشفقت ور زیدن وبا پیروں حرمت نگاہ داشتن چنانکہ پیراں

Marfat.com

را اندر درجۂ پدراں بد اند وھم جنساں را اندر درجۂ براداں وکودکاں را اندر درجہ محل پدراں بداند و از حقد تبرا کند و از حسد بپرھیز و کینہ اعراض کند و نصیحت از ھیچ کس دریغ ندارد و روانیست اندر صحبت یکدیگر راغیبت کردن و خیانت ور زیدن وبقول وفعل بکدیگر را انکار کردن ازانچہ چوں صحبت از برای خداوند بود بفعلی یا بقولی کہ از بندہ ظاھر شود بریدہ نگردد" (١٦)

مولانا ابوالحسنات قادریؒ نے آداب صحبت سے متعلق حضرت داتا گنج بخشؒ کے اس ارشادگرامی کا جو ترجمہ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ ترجمہ اور ترجمانی کا ایک عمدہ نمونہ اور حسین امتزاج ہے مطلب یہ کہ نہ محض لفظی ترجمہ ہے اور نہ محض بامحاورہ مفہومی ترجمہ ہے بلکہ ان دونوں خوبیوں کا جامع ترجمہ ہے ملاحظہ ہو:

"صحبت مشائخ کی یہ بھی شرط ہے کہ جن کے پاس بیٹھے انہیں ان کے درجہ کے مطابق پہچانے بوڑھوں سے باادب رہے اور ہم جنسوں سے عشرت میں زندگی گزارے بچوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے بلکہ معمر لوگوں کو باپ کی جگہ اور ہم عمروں کو بھائی کے برابر، بچوں کو اولاد کی جگہ جانے۔"

ہر گناہ سے اجتناب کرے حسد سے بچتا رہے۔ عداوت سے روگردانی کرے اور نصیحت کرنے میں دریغ نہ کرے مجلس میں دوسرے کی غیبت کرنا اور خیانت کرنا، ایک دوسرے کی عقل اور فعل پر حرف زنی کرنا بھی آداب صحبت میں ممنوع ہے۔

اس لیے کہ جب ابتداء میں صحبت حق تعالیٰ کے لیے ہو تو کسی قسم کا قول وفعل نا ملائم کسی بندے کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے۔" (١٧)

اسی طرح ترجمہ اور ترجمانی کے حسین امتزاج کی ایک اور عمدہ مثال ملاحظہ ہو۔

کشف حجاب سوم ''ایمان'' کے عنوان سے اہل سنت اور معتزلہ کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ فرمایا ہے فارسی عبارت طوالت کے خوف سے بغیر لکھے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اہل سنت و جماعت میں اس امر کا اتفاق ہے کہ ایمان کے لیے اصل اور فرع ہے۔ ایمان کی اصل تصدیق بالقلب ہے اور اس کی فرع یہ ہے کہ مراعات اوامر و نواہی کی جائے، اور عرف و عادت میں ہے کہ ایک چیز کی فرع کو بصورت استعارہ اصل کے نام سے بولتے ہیں جیسے آفتاب کے نور کو عام طور پر آفتاب ہی کہتے ہیں۔ اس معنی میں اطاعت کو ایمان کہا گیا ہے اور اس ذات کے فضل سے بندہ بغیر عمل عذاب سے بے غم نہیں ہوسکتا اور حرف تصدیق مقتضی امن نہیں جب تک حکم بجا نہ لائے۔ تو جس کی اطاعت زیادہ ہوگی، اسے عذاب سے بھی زیادہ امن ہوگی چونکہ طاعت علت امن ہے اور اس میں شرط اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ (۱۸)

ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

''حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ روم میں ایک راہب ستر سال سے رہبانیت میں گرجا کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے تعجب کیا کہ رہبانیت کی انتہائی مدت چالیس سال ہے یہ کس لیے ستر سال سے اس گرجا میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے دریچہ کھول کر مجھ سے کہا ابراہیم! مجھے معلوم ہے جس کام کے لیے تم میرے پاس آئے ہو میں ستر سال سے اس جگہ رہبانیت کے لیے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو حرص و ہوا سے شوریدہ ہے۔ میں اس جگہ اس لیے بیٹھا

Marfat.com

ہوں کہ اس کتے کی نگہبانی کروں اور اس کے شر سے لوگوں کو دور رکھوں۔ ورنہ میں وہ نہیں جو تمہارا اتنا اعتراض اپنے اوپر آنے دیتا۔

جب میں نے اس سے یہ بات سنی تو میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ مولا تو قادر علی الاطلاق ہے کہ اس راہب کو اس کی عین ضلالت میں طریق صواب وراہ راست عطا فرمائے۔

راہب مجھ سے کہنے لگا۔ ابراہیم! کب تک لوگوں کو ڈھونڈے گا جا اپنے آپ کو تلاش کر، جب اپنے آپ کو پالے گا تو اسی کی نگہبانی کرنا کیونکہ ہر روز ہوا کا کتا تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار لباس الوھیت پہن کر بندہ کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔" (۱۹)

ترجمہ کی عبادت کو دوبارہ پڑھیں آپ کو کہیں بھی یہ گمان نہیں ہوتا کہ آپ کسی دوسری زبان سے ترجمہ شدہ عبارت پڑھ رہے ہیں بلکہ کلمات کا چناو استعمال اور پھر تراکیب کی بندش تو اپنی جگہ مگر اس پوری عبارت میں جو روانی وسلاست پائی جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ کے اس واقعہ میں نفس امارہ کی عیاری سے آگاہی کا درس طالب حق اور سالک راہ طریقت کے دل میں خود بخود اترتا چلا جاتا ہے۔

چند توجہ طلب پہلو

غازی کشمیر اور سالار تحریک تحفظ ختم نبوت حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کشف المحجوب بنام "کلام المرغوب" اپنی نمایاں خصوصیات امتیازی پہلوؤں کے باوجود اپنے اندر چند توجہ طلب پہلو بھی رکھتا ہے۔ ان کی نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مولانا مرحوم سے عقیدت رکھنے والے اور ان کے ترجمہ کے ناشرین ان ضروری امور کی طرف توجہ دیں تو اس علمی دستاویز کو مزید دقیع بنایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ذیل میں بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

ا۔ مشکل الفاظ کا استعمال

مجموعی طور پر تو مولانا ابوالحسنات مرحوم کا ترجمہ کشف المحجوب آسان اور عام فہم ہے مگر

Marfat.com

چونکہ مرحوم کو عربی زبان میں بھی کامل دسترس حاصل تھی اس لیے ترجمہ میں بوجوہ عربی کلمات کا آ جانا اس لیے عیب نہیں سمجھا جا سکتا کہ بہت سے الفاظ و کلماتِ عربی زبان کے ایسے ہیں جو اردو میں کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جن کو اہل علم تو سمجھتے ہیں مگر ایک متوسط سطح کا علم رکھنے والا یا کم علم قاری اس کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا بلند علمی مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے روانی کے ساتھ ترجمہ کرتے ہوئے ایسے مشکل کلمات کو استعمال کرتے ہیں تو عادتاً ان کا ذہن اس مشکل کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس لیے اب یہ ناشرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس علمی ترجمہ کی اشاعت کرتے ہوئے آخر میں فرہنگ کا اضافہ کر کے اس کو شائع کرنے کا اہتمام کریں تا کہ عام قاری بھی حضرت داتا گنج بخشؒ کی اخلاقی و روحانی تعلیمات سے باسانی آگاہ ہو سکے اور اس کے مطالعہ سے راہنمائی حاصل کر سکے۔ ایسے چند مشکل الفاظ کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ خطبہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں تمام محامد اس کے وجہ منیر کو ہیں (۲۰)

۲۔ بوقت وفات قیامت آیات سرور عالم تمام صحابہ کرام اس عالی جناب گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے۔ (۲۱)

۳۔ تصوف یہ ہے کہ عالم کون کو بنظر نقص و حدوث دیکھے اور یہ بھی بقا صفت کی دلیل ہے بلکہ عالم سے آنکھ کو بند کر لے تا کہ یہ دلیل فنا صفت کی مکمل ہو جائے (۲۲)

۴۔ معنی متاخرین صوفیا سے بیان مریدان برھان محققان حضرت ابوعلی بن حسن بن محمد وقاص ہیں۔ (۲۳)

۵۔ اب یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ از روئے علم فنا و بقا کسے کہتے ہیں؟ اور ارباب حال کی زبان میں اس کے کیا معنی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ارباب ظواہر اس لغت کی کسی عبارت سے اتنے متحیر نہیں جتنے اس گروہ کے لوگ تحیر میں ہیں۔ (۲۴)

یہ صرف چند مقامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جب کہ پورے ترجمہ میں ایسے

Marfat.com

درجنوں مقامات ہیں کہ جہاں پر عبارت کو مزید آسان بنانے کی ضرورت ہے تا کہ کم لکھا پڑھا قاری بھی اس سے بھرپور فیض حاصل کر سکے۔

ذیلی عنوانات کی کمی

مسلسل عبارت اور لمبے لمبے جملوں کی بجائے ذیلی عنوانات اور مختصر جملے اور چھوٹے چھوٹے پیراگراف ادائے معانی کے ساتھ فہم میں بھی آسانی پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سے قاری کے لیے مطالعہ کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے اس پہلو سے حضرت مولانا ابو الحسنات قادری مرحوم کا اردو ترجمہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری ذیلی عنوانات کی کمی ہی نہیں بلکہ فقدان کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ ایک ہی بحث اور ایک ہی بات کئی کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے حالانکہ اس کو ضمنی عنوانات اور پیرہ بندی میں تقسیم کیا جا سکتا تھا جیسا کہ اس کی جھلک ہر قسم کے علمی سقم کے باوجود میاں طفیل محمد کے ترجمہ میں نظر آتی ہے۔

ترجمہ کی اشاعت کرنے والے اشاعتی ادارے اگر تھوڑی سی محنت سے کام لیں اور آئندہ کتاب کی اشاعت سے پہلے کسی عالم فاضل کی خدمات حاصل کر کے اگر تمام مباحث میں ذیلی عنوانات لگوالیں تو اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگا۔

اعراب کی غلطیاں

اعراب کی غلطیاں اگرچہ فاضل مترجم کی طرف نہیں بلکہ ان کی تمام تر ذمہ داری، کاتب اور پبلشر پر عائد ہوتی ہے مگر چونکہ کتاب کے ٹائیٹل پر ایک مستند عالم دین کا نام بطور مترجم کے لکھا جاتا ہے اس لیے قاری کم فہمی کی بناء پر اعرابی غلطیاں بھی انہیں کی طرف منسوب کر دیتا ہے جو کسی طور پر بھی درست نہیں۔ اس لیے کتاب کو شائع کرنے والے کسی بھی ادارے اور شخصیت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ کسی ماہر عالم جو بالخصوص عربی عبارت میں خصوصی مہارت رکھتا ہو، کی خدمات حاصل کر کے ان غلطیوں کا ازالہ کرے۔ راقم کے پیش نظر اور زیر مطالعہ اسلامک بک

Marfat.com

فاؤنڈیشن لاہور طبع معارف پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع ہونے والا ایڈیشن ہے اس میں اکثر عربی عبارات میں اعراب کی غلطیوں کو عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

تخریج حوالہ جات

اسلامک بک فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کردہ اس ایڈیشن (مطبوعہ ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء) میں احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور اقوال صوفیا وفقہاء کی تخریج ایک طرف اس میں تو آیات قرآنیہ تک کے حوالہ جات بھی درج نہیں کیے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ قابل حیرت یہ بات ہے کہ آیات قرآنیہ کا اعراب بھی درست نہیں ہے۔

قابل توجہ ان چند امور کی نشاندہی کے ساتھ ہی ہم اس تحریر کو ختم کرتے ہیں۔

اللهم اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين بحرمة رحمة للعالمين

❁ ❁ ❁

حواشی وحوالہ جات

(۱) دیباچہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (ترجمہ، ابو الحسنات سید محمد احمد قادری)، اسلامک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء ص: ۳۰

(۲) ایضاً ص: ۲۷

(۳) ایضاً ص: ۶۲

(۴) تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار، از محمد صادق قصوری، تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ، لاہور اشاعت اول ۲۰۰۸ء، ص: ۲۶۰

(۵) ادیب اور مصنف از شیخ اسماعیل پانی پتی، مشمولہ نقوش لاہور نمبر، مدیر محمد طفیل نقوش، شمارہ نمبر ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء جلد دوم، ص: ۹۱۳

Marfat.com

(۶) تذکرہ اکابر اہل سنت، از مولانا عبدالحکیم شرف قادری، فرید بک سٹال ۳۸، اردو بازار لاہور، طبع دوم اگست ۲۰۰۰ء، ص:۴۲۴

(۷) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، علامہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۷۵ء، ص:۳۳۵۔

(۸) تذکرہ اکابر اہل سنت، شرف قادری، ص:۴۲۸۔

(۹) کشف المحجوب فارسی سید علی بن عثمانؒ ہجویری با مقدمہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مطبع نوائے وقت پرنٹرز لاہور، ص:۱۲، ۱۱، س۔ن

(۱۰) کشف المحجوب ترجمہ مولانا ابوالحسنات قادری، باب اثباتِ علم، ص:۸۰۔۸۱

(۱۱) کشف المحجوب (فارسی)، ص:۱۲

(۱۲) کشف المحجوب ترجمہ از مفتی سید غلام معین الدین نعیمیؒ الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء

(۱۳) کشف المحجوب ترجمہ از مفتی غلام معین الدین نعیمی نوری بک ڈپو لاہور، س۔ن

(۱۴) کشف المحجوب ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، س۔ن

(۱۵) الکلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب، ابوالحسنات قادری، ص:۱۷۸

(۱۶) کشف المحجوب فارسی، ص:۳۷۸

(۱۷) الکلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب، ابوالحسنات قادری، ص:۵۴۱

(۱۸) ایضاً، ص:۴۷۸

(۱۹) ایضاً، ص:۳۸۴

(۲۰) ایضاً، ص: مقدمہ (خطبہ)

(۲۱) ایضاً، ص:۱۱۴

(۲۲) ایضاً، ص:۱۲۴

(۲۳) ایضاً، ص:۳۲۲

Marfat.com

(۲۴) ایضاً، ص:۴۳۱

کشف المحجوب کے اردو تراجم

پروفیسر عبدالجبار *

کتاب کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا جہاں نہایت اہم کام ہے خصوصاً کسی بہت اہم موضوع پر لکھی گئی بنیادی کتاب کا ترجمہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مترجم کو اصل کتاب کی زبان پر مکمل عبور، اس کے موضوع پر عالمانہ گرفت، تصنیف کتاب کے عہد کی زبان پر مکمل دسترس حاصل ہو۔

فروغ علم میں تراجم نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ترجمہ درحقیقت تخلیقی نوعیت کا کام ہے اس کام کی ابتداء تو اس شعور سے ہوئی کہ مترجم کو ہر دو زبانوں سے ایک وہ جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے اور دوسری وہ جس میں ترجمہ ہوتا ہے مکمل واقفیت لازم ہے، مکمل واقفیت سے مراد زبانوں کے مزاج اور ان کی پوری روایت سے واقفیت کے ہیں۔ اس کے بعد ترجمہ کا تخلیقی پہلو سامنے آتا ہے۔

کشف المحجوب کا علمی مرتبہ ومقام

کشف المحجوب علومِ تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے۔ جسے تصوف کے آئین کا درجہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ تصوف کے ارتقائی منازل کی ایسی پرتاثیر اور نادر کتاب ہے جو شریعت وطریقت کے قواعد وضوابط، عارفانہ اسرار ورموز اور صوفیانہ فکر ونظر کے متعلق ہر دور

* پروفیسر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے۔

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری کی مشہور زمانہ کتاب کشف المحجوب مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ جس میں اولیاء کرام کی زندگی کے حالات و واقعات اور ان کی تعلیمات کا بہترین خزانہ ہے فارسی زبان میں تصوف وطریقت پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیائے عظام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی (۷۲۵ھ) نے اپنے ملفوظات درنظامی (مرتبہ علی محمود جاندار) میں اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

وی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ھجویری است قدس اللہ روحہ العزیز: اگر کسے را پیری نہ باشد چوں ایں را مطالعہ کنند او را پیدا شود...... من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔

(بحوالہ عبدالماجد دریا آبادی، تصوفِ اسلام: ۵۲)

اگر کسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیر کامل مل جائے گا۔

شہزادہ دارالشکوہ (۱۰۶۹ء) نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:

حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را براں سخن نیست و مرشدی است کامل در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتاب تصنیف نہ شدہ۔

(سفینۃ الاولیاء، ۱۶۴)

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری نے بہت ساری کتب لکھی ہیں لیکن کشف المحجوب ان

Marfat.com

میں معروف ومشہور کتاب ہے یہ مرشد کامل ہے اور کتب تصوف میں فارسی زبان میں لکھی گئی اس پایہ کی کوئی تصنیف نہیں ہوئی۔

بعینہ اسی طرح کے الفاظ مفتی غلام سرور لاہوری (۱۳۰۷ھ) کی کتاب خزینۃ الاصفیاء سے بھی ملتے ہیں۔

پاکستان میں کشف المحجوب کے فارسی نسخہ جات

۱۔ کشف المحجوب فارسی متن نسخہ ایران۔

۲۔ کشف المحجوب فارسی متن نسخہ سمرقند۔

۳۔ کشف المحجوب فارسی متن نسخہ لاہور۔

۴۔ کشف المحجوب فارسی متن عشرت پبلیکشنگ ہاوس لاہور۔

۵۔ کشف المحجوب فارسی متن پروفیسر ژوکوفسکی۔

۶۔ کشف المحجوب فارسی متن مطبوعہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین کشمیری بازار لاہور۔

صحیح ترین متن پیش کرنے کی سعادت

روس کے ژوکوفسکی نے اس کتاب کا صحیح ترین متن پیش کرنے کی کوشش کی۔

کشف المحجوب کا صحیح ترین متن مرتب کرنے کا بیڑہ روسی مستشرق ژوکوفسکی نے اٹھایا اور بڑی محنت وکاوش کے بعد ۱۹۰۵ء میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اس کی طباعت واشاعت کا شرف بالآخر ایران کو حاصل ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں تہران سے اسے زیور طباعت سے آراستہ کر دیا گیا۔ ژوکوفسکی نے تصحیح کرتے وقت پانچ قلمی نسخوں کو سامنے رکھا۔

۱۔ نسخہ وینہ (وی آنا) فلوگل کے مطابق یہ نویں صدی ہجری کی تحریر ہے۔

۲۔ نسخہ قلمی کتب خانہ تاشقند (۱۲۴۶ھ)

۳۔نسخہ قلمی سمرقند

۴۔قلمی نسخہ پیٹرز برگ یونیورسٹی (۱۰۱۱ھ)

۵۔قلمی نسخہ مؤسسۃ السنہ شرقیہ وزارتِ خارجہ روس ان میں سے اول الذکر کو بنیاد طباعت قرار دے کر باقی چار نسخوں سے اس کا موازنہ کر کے اصل متن تیار کیا گیا اور یوں اسے زیادہ سے زیادہ صحیح بنانے کی خاصی کامیاب کوشش بروئے کار لائی گئی۔

عظیم مستشرق پروفیسر نکلسن نے جب ۱۹۱۱ء میں کشف المحجوب کا انگریزی زبان میں ترجمہ شائع کیا تو وہ ہمارے اردو تراجم سے بہت بلند، وقیع اور جامع تھا۔انہوں نے حضرت داتا گنج بخش کی سوانح حیات کے ہر پہلو پر محققانہ بحث کی۔ کشف المحجوب کے موضوع اور مباحث پر سیر حاصل تبصرہ کر کے کشف المحجوب کے صحیح مقام سے دنیائے ادب کو متعارف کروایا پروفیسر نکلسن کی تحقیقات نے کشف المحجوب کے اردو مترجمین کو بہت سے نئے راستوں سے آشنا کیا۔ مترجمین نے عظیم مستشرق کی تحقیقات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

اردو تراجم کی ضرورت کب محسوس کی گئی

تیرھویں صدی کے وسط تک فارسی زبان عوامی زبان تھی تحریر کی زبان بھی فارسی تھی۔ اس لئے اس وقت تک کشف المحجوب کے اردو ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی۔

تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے آغاز میں جب فارسی زبان کا انحطاء بحد کمال پہنچ گیا اور اردو عوامی زبان قرار پائی تو اس وقت سے فارسی زبان کی بلند پایہ کتب کے اردو میں تراجم ہونے لگے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے تحت کشف المحجوب جیسی بلند پایہ اور گراں قدر کتاب کے متعدد اردو تراجم ہوئے۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت تک تقریباً دو درجن سے زائد اس کتاب کے اردو تراجم چھپ چکے ہیں۔

کشف المحجوب پر ہونے والا کام

Marfat.com

کشف المحجوب پر مترجمین نے مختلف نوعیت کا کام کیا ہے جس کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔تراجم

مترجمین نے فارسی زبان سے اسے اردو میں منتقل کیا۔

۲۔تسہیل وتبویب بندی

مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت اس کتاب کو اپنی زبان میں آسان کر کے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی ابواب بندی بھی کی ہے۔اصل کتاب کے ابواب تو نو ہیں لیکن مترجمین نے اسے چالیس ابواب تک پہنچا دیا ہے۔

۳۔تلخیص

بعض مصنفین نے اس کتاب کا ترجمہ کرتے وقت کتاب کی تلخیص بھی کردی ہے۔اس میں بعض مشکل ابحاث کو اپنے ترجمے سے خارج کردیا ہے جیسے میاں طفیل محمد صاحب کا ترجمہ کشف المحجوب کی تلخیص کی واضح مثال ہے۔

۴۔تشریح:

کشف المحجوب ایک ادق اور نہایت مشکل کتاب ہے۔بعض سکالر نے صرف اس کتاب کے ترجمے پر ہی اکتفانہیں کیا ہے بلکہ اس کتاب کی آسان زبان میں تشریح بھی کردی ہے جیسے کپتان واحد بخش سیال نے ترجمہ کے ساتھ کشف المحجوب کی شرح بھی لکھی ہے۔

۵۔التخریج:

مترجمین نے جہاں اس کتاب کے ترجمے کو پیش نظر رکھا وہاں اس میں استعمال ہونے والی آیات اور روایات احادیث کی تخریج بھی کردی ہے۔ڈاکٹر خالق داد ملک صاحب نے علیحدہ سے الزاد المطلوب کے نام سے اس کتاب میں شامل ہونے والی روایات احادیث کی تخریج

Marfat.com

کردی ہے۔

۶۔ کشف المحجوب پر مقالہ تحریر کر کے ایک ایرانی دوست محمد حسین تسبیحی نے پنجاب یونیورسٹی شعبہ فارسی سے ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

پنجابی زبان میں تراجم

سب سے پہلے کشف المحجوب کا ترجمہ گورکھی پنجابی (ہندی) میں ترجمہ ہوا۔

۱۔ کشف المحجوب

مترجم: ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی

پبلشر: پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ

۲۔ کشف المحجوب

مترجم: محمد شریف صابر

پبلشر: قاضی پبلی کیشنز لاہور

سنِ اشاعت: ۱۹۹۶ء

کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ

پروفیسر رینالڈ اے نکلسن (م ۱۹۴۵ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ جو پہلی دفعہ ۱۹۱۱ء میں گب میموریل لندن سے شائع ہوا۔

اس کو پاکستان میں اسلامک بک فاؤنڈیشن نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

کشف المحجوب کے عربی ترجمے

۱۔ کشف المحجوب کا عربی زبان میں پہلا ترجمہ شیخ تاج الدین سنبھلی نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں کیا۔

۲۔ دوسرا جدید ترجمہ ڈاکٹر اسماء عبدالہادی قندیل نے کیا ہے۔ جو مکتبہ الاہرام التجاریہ کی

Marfat.com

طرف سے ۱۹۷۴ء میں چھپا۔

تراجم کشف المحجوب کی اجمالی فہرست

ا۔انوار القلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: عبدالحکیم خان نشتر جالندھری

پبلشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور

سن اشاعت: 1968ء

۲۔بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: مولوی فیروز الدین

پبلشر: فیروز سنز مال روڈ لاہور

سنِ اشاعت: 2003ء

۳۔کشف المحجوب

مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی

پبلشر: نوری بک ڈپو گنج بخش روڈ، لاہور

سنِ اشاعت: 1978ء

۴۔کلام المرغوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

پبلشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ

Marfat.com

سنِ اشاعت: 2006ء

۵۔کشف المحجوب

مترجم: مولانا فضل الدین گوہر

پبلشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

سنِ اشاعت: 2006ء

۶۔صحیفہ محبوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: اللہ رکھا قریشی

پبلشر: مکتبہ نبویہ اردو بازار لاہور گنج بخش روڈ لاہور

سنِ اشاعت: 2009ء

۷۔کشف المحجوب

مترجم: علامہ ظہیر الدین بدایونی

پبلشر: کتب خانہ شانِ اسلام

۸۔ارمغانِ موہوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: بشیر حسین ناظم

پبلشر: کرماں والا بک شاپ اردو بازار لاہور

سنِ اشاعت: 2007ء

Marfat.com

۹۔ کشف المحجوب

مترجم: ڈاکٹر سید محمد فاروق القادری

پبلشر: فرید بک سٹال

سن اشاعت طبع اول: 1989، طبع دوم: 2001ء

اس کو تصوف فاؤنڈیشن نے بھی 1998ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ کشف المحجوب

مترجم: ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی

پبلشر: سنگِ میل پبلی کیشنز

سنِ اشاعت: 2007ء

۱۱۔ کشف المحجوب

مترجم: شمس الہند شایق ایزدی

پبلشرز: شیخ الٰہی بخش، محمد جلال الدین تاجران کتب، لاہور

سنِ اشاعت: 1346ھ

۱۲۔ کشف المحجوب

مترجم: محمد اسحاق ظفر مرتب محمد الیاس عادل

پبلشر: مشتاق بک کارنر

Marfat.com

سنِ اشاعت: ندارد

۱۳۔کشف المحجوب

مترجم: مولانا عبدالرؤف فاروقی

پبلشر: اسلامی کتب خانہ

سنِ اشاعت: ندارد

۱۴۔گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب

مترجم: پروفیسر عبدالمجید یزدانی

پبلشر: ناشران قرآن لمیٹڈ

سنِ اشاعت: 1968ء

۱۵۔کشف المحجوب

مترجم: مولانا محمد حسین مناظر (گوجرانوالہ)

پبلشر: ملک دین محمد اینڈ سنز

سنِ اشاعت: ندارد

۱۶۔کشف المحجوب

مترجم: عبدالرحمٰن طارق

پبلشر: نعمانی کتب خانہ

سنِ اشاعت: 1979ء

Marfat.com

۱۷۔ کشف المحجوب

مترجم: وقار علی بن مختار علی

پبلشر: جہانگیر بک ڈپو اردو بازار لاہور

سنِ اشاعت: ندارد

۱۸۔ کشف المحجوب

مترجم: مولانا محمد الطاف نیروی

سنِ اشاعت: 1992ء

تلخیص و تسہیل

بعض مترجمین نے کشف المحجوب کے مکمل فارسی متن کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کی تلخیص کی ہے۔ ان تراجم کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے

۱۔ تلخیص کشف المحجوب

مترجم: محمد علی چراغ

پبلشر: نذیر سنز اردو بازار لاہور

سنِ اشاعت: 1998ء

۲۔ تلخیص و تسہیل کشف المحجوب

مترجم: شاہد زبیر

پبلشر: بیکن بکس ملتان

سنِ اشاعت: 2006ء

۳۔ کشف المحجوب (تلخیص)

مترجم: میاں طفیل محمد

پبلشر: اسلامک پبلی کیشنز

سنِ اشاعت: 1980ء

۴۔ تسہیل کشف المحجوب

مترجم: جی آر اعوان

پبلشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنِ اشاعت: 2003ء

۵۔ کشف المحجوب (تلخیص)

مترجم: یونس ادیب

پبلشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز

سنِ اشاعت: 1977ء

۶۔ کشف المحجوب (تلخیص و تسہیل)

مترجم: خواجہ شاہد حمید مکی مدنی

پبلشر: ایوان فاطمہ شاہ جمال لاہور

سنِ اشاعت: 1422ھ

Marfat.com

تراجم کا تفصیلی تعارف و جائزہ

کشف المحجوب کے تراجم اجمالی تعارف کے بعد اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ تراجم کی بابت تفصیلی تعارف و تجزیہ لکھا جائے۔ اس مضمون میں تمام تراجم پر سیر حاصل گفتگو تو نہیں کی جاسکتی البتہ چند معروف اور اہم تراجم کے تفصیلی تعارف کے متعلق لکھا جائے گا۔

ا۔گنج مطلوب

مترجم: پروفیسر عبدالمجید یزدانی

محترم پروفیسر عبدالمجید یزدانی نے ژوفسکی کی تصحیح شدہ نسخے کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

اس ترجمہ کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

ا۔فہرست سازی

شروع میں مترجم نے پہلے کتاب کی اجمالی فہرست بیان کی ہے۔ بعد میں کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف پیش کرنے کے بعد خاکہ متن کے نام سے کتاب کی تفصیلی فہرست بیان کی ہے۔ یہ تفصیلی فہرست بھی مترجم کا امتیاز ہے۔

۲۔تصحیح شدہ متن کے ترجمے کا لحاظ رکھنا

ترجمہ کو بعض جگہ تصحیح شدہ متن کی نسبت حاشیے میں درج شدہ عبارت یا الفاظ زیادہ موزوں نظر آئے اس لئے مترجم نے صحیح کی نسبت صحیح تر کو قابلِ ترجیح تصور کرتے ہوئے ترجمہ اس کا کیا ہے۔ البتہ حاشیے میں اس کی وضاحت کر دی۔

مثلاً اصل متن میں غیبت اور حضور کے باب میں ''جنوں باشد'' کے بعد وباغلبہ وبا مرگ وغفلت باید کے الفاظ مہمل اور بے معنی ہیں۔ البتہ فٹ نوٹ میں مندرج الفاظ ''باید کہ تارک غفلت شد'' یہاں بامعنی معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں الفاظ کا ترجمہ مصنف نے شامل کیا ہے۔

Marfat.com

(گنج مطلوب:۴۰۳)

۳۔اشاریہ سازی

مترجم نے کتاب کے آخر میں اشخاص، انساب اور قبائل کے ناموں کا اشاریہ بھی تیار کیا ہے۔مترجم نے اس میں حاشیے سے باہر اصل نسخہ کشف المحجوب کے جو صفحات دیے گئے ہیں اس کے مطابق اشاریہ تیار کیا ہے۔

فہرست جگہوں و مقامات

مترجم نے مقامات اور جگہوں کا اشاریہ بھی تیار کیا ہے یہ بھی مترجم کا امتیاز ہے اور کسی مترجم نے یہ کام نہیں کیا۔

فہرست ملل و نحل

کتاب میں استعمال شدہ اقوام کا اشاریہ بھی تیار کیا ہے۔

فہرست کتب

مصنف نے حوالہ جات کے لئے جن کتب کا استعمال اپنی کتاب میں کیا ہے اس کا اشاریہ بھی مترجم نے تیار کیا ہے۔

۴۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ زبان و عبارت با محاورہ ہو لیکن مفردات و ترکیبات کا اصل لغوی و معنوی مفہوم بھی برقرار رہے۔

۵۔ ترجمہ کے دوران ہر صفحے پر حسبِ حال اور حسبِ توقع اردو اور کہیں کہیں فارسی اشعار درج کئے گئے ہیں۔تاکہ مفہوم کی زیادہ سے زیادہ وضاحت ہو جائے۔تاہم یہ اشعار حاشیے میں دیے گئے ہیں۔تاکہ اصل متن کی بے ادبی نہ ہو۔مصنف نے جن شعراء کے کلام سے حواشی کو مزین کیا ہے اس میں خواجہ میر درد، میرتقی میر، غالب، آتش، علامہ اقبال، حالی، امری بینائی، اصغر، فانی، جگر، مولانا روم، حافظ، جامی، سعدی،

Marfat.com

خسرو، ذوق اور ظفر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان اشعار کے استعمال سے ترجمے کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے جس طرح مصنف نے عربی کے غزلیہ اشعار خاصی تعداد میں استعمال کئے ہیں ان کے متعلق اشعار نیچے حاشیے میں دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

۶۔ حضور داتا گنج بخشؒ نے شروع سے آخر تک ہر مسئلہ کے بیان میں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ اس کا آغاز کسی قرآنی آیت سے کرتے ہیں۔ پھر اس کے حسبِ حال حدیث لاتے ہیں۔ پھر اکابرین کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ مترجم نے عام قارئین کی سہولت کے لئے بالعموم اور لوگوں کی وحشت کو دور کرنے کے لئے بالخصوص جو ہر صفحے پر عربی عبارات دیکھ کر کسی علمی تصنیف کے مطالعے کی ہمت ہی نہیں کر پاتے۔ یہ التزام کیا ہے کہ آیات قرآنی اور دیگر عبارات یعنی احادیث و اقوال کا ترجمہ متن میں دے دیا ہے۔ آیات شریف کا ترجمہ واوین میں دونوں طرف کچھ جگہ چھوڑ کر دیا گیا ہے اور نیچے حاشیے میں متعلقہ سورہ کا نام درج کر کے آگے آیت کا نمبر درج کر دیا ہے۔ مصنف نے قرآن مجید کی آیات کے تراجم کے سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ قرآن مجید بیان القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ کہیں کہیں مولانا فتح محمد خان جالندھری کے تراجم بھی ذکر کیے ہیں۔ ژوکوفسکی نے سورہ کا صرف نمبر دینے پر ہی اکتفا کیا ہے لیکن مترجم نے سورہ کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

۷۔ بعض جگہ تصحیح شدہ متن کی نسبت حاشیے میں درج شدہ عبارت یا الفاظ زیادہ موزوں نظر آ ہے۔ چنانچہ مترجم نے صحیح کی نسبت صحیح تر کو قابلِ ترجیح تصور کرتے ہوئے ترجمہ اس کا کیا ہے۔ البتہ حاشیہ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

۸۔ مترجم نے ترجمہ کے ہر صفحہ پر دو نمبر درج کئے ہیں ایک نمبر تو خود ترجمے کے صفحات کو

ظاہر کرتا ہے۔اور دوسرا جو بریکٹ میں لکھا گیا ہے۔ وہ کشف المحجوب کے متعلقہ صفحے کا نمبر ہے۔

۹۔ ترجمہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ با قاعدہ صفحات پر صرف اصل متن کا ترجمہ ہی درج کیا جائے اور تمام وضاحتی امور کو حواشی میں جگہ دی جائے تا کہ متن اور ترجمہ میں مکمل ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ البتہ کہیں کہیں قوسین میں جہاں وضاحت ناگزیر تھی وہاں مختصر الفاظ میں توضیح کر دی گئی ہے۔

۱۰۔ مترجم نے فہرست میں صرف اجمالی سرخیاں ہی نہیں دیں بلکہ ذیلی عنوانات کی فہرست بھی درج کی ہے۔جس سے اس باب میں موجود تمام مضامین کا تفصیل سے پتا چل جاتا ہے۔

(معارف اولیاء،۱۳۴،۱۳۳،۱۳۲)

۲۔کشف المحجوب بنام کلام المرغوب

مترجم: ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

مشکل الفاظ کی تشریح

مترجم نے ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی التزام کیا ہے کہ متن میں موجود مشکل الفاظ کی تشریح بھی کر دی جن الفاظ کا مفہوم عام قاری کے سامنے واضح نہ ہو جیسے مترجم کتاب کے گیارہویں باب تبع تابعین کا احوال بیان کرتے ہوئے مصنف حضور داتا گنج بخش اپنے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،اس عبارت کا ترجمہ یوں ہے:

''میں اس وقت ضیق میں ہوں اس وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اللہ اس شہر کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ میں اس وقت ہندوستان لہانور میں ہوں۔''

مترجم اس عبارت میں موجود لہانور کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیے میں رقمطراز ہے

Marfat.com

'لہانور سے مراد شہر لاہور ہی ہے۔ اس لئے کہ اس شہر کا نام پہلے لہانور تھا۔ جیسا کہ مراد شاہ بزرگان خاندان شاہ عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: (بہ سال غریب بہ ماکہ صیام یہ شہر لہانور عالی مقام) انہیں کا شعر ہے، وہی لاہرو ہے، شہر لہانور جو دارالسلطنت پر ہے۔ وہ مشہور اور تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ رام چندر کے دو بیٹے تھے ایک لہہ اور دوسرا قصو لہہ نے لہانور آباد کیا اور قصو نے قصور آباد کیا۔

(ابوالحسنات محمد احمد قادری، کشف المحجوب :۲۲۱)

بعض عبارات کی تشریح

مصنف نے ابوالحسن نوری کا تذکرہ کرتے ہوئے منصورین کے بارہ فرقوں کا ذکر کیا۔ جن میں سے دس گروہ مقبول بارگاہ میں اور دو مردود ہیں۔

مردود فرقوں میں حلولیاں اور حلابیان ہے مترجم نے حلولیان کی وضاحت حاشیے میں اس طرح فرمائی۔

''ان میں سے دس فرقے شتاری تک محققان اہل سنت و جماعت سے گزرے ہیں لیکن دو گروہ مردود ہیں، ایک حلولی ہے جو حلال و امتزاج کا قائل ہے، یعنی اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے جسم میں حلول کرتا اور بندہ میں آکر مل جاتا ہے اور اسی فرقہ سے وابستہ سالمی اور مشبہ ہے۔ (مشبہہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور فرقہ سالمیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بروز اور امت محمدیہ ﷺ میں (معاذ اللہ) ظہور کرے گا اور تمام مخلوقات کے لئے قیامت کے دن جن وانس اور ملائکہ اور حیوانات کی شبہات میں ظہور کرے گا۔ اور ہر ایک کے ساتھ ایک خاص صفت ہوگی حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ و شباہت سے منزہ ہے۔

(ازغنیۃ الطالبین ص:۲۸۸۔۲۸۹)

۳۔کشف المحجوب

مترجم: سید محمد فاروق القادری

جس طرح کشف المحجوب اپنے مضامین کی بلندی اور عبارت کی سلاست وروانی کے لحاظ سے بلند پایہ کتاب ہے اس معیار کے مطابق ایسے عالمانہ ترجمے کی ضرورت تھی جو محققین اور عوام دونوں کے لئے مفید ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر سید محمد فاروق القادری صاحب نے کشف المحجوب کا ترجمہ کیا۔

۱۔ مترجم نے ترجمہ کی سلاست، شستگی، روانی اور متن کی روح کو برقرار رکھا ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی تمام آیات کے حوالہ جات فٹ نوٹس میں دیے گئے ہیں اور ہر آیت کے سامنے اس کا بامحاورہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

۳۔ اس کے علاوہ ضروری مقامات پر تشریحی نوٹس بھی دیے گئے ہیں۔

۴۔ ترجمے کو مسلسل تحریر کی بجائے پیرابندی کے حسن میں ڈھالا گیا ہے۔

۵۔ تحریر وطباعت صاف ستھری اور دورِ حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

۴۔آسان کشف المحجوب

تسہیل: جی آر اعوان

حضور داتا صاحب نے یہ کتاب فارسی میں لکھی مگر فارسی میں لکھی گئی کشف المحجوب شاید اتنی مشکل نہیں ہوگی جتنا ترجمہ نگاروں نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالتے ہوئے مشکل اور ثقیل بنادیا۔

محترم جی آر اعوان صاحب نے کشف المحجوب کی تسہیل کی یعنی اس کو آسان لفظوں

Marfat.com

میں پیش کیا۔

مشکل الفاظ کی جگہ اس کے آسان معنی بیان کیے۔ بعض لمبے فقروں کی ایڈیٹنگ کر کے اس کو مختصر کر دیا تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

آپ نے فیروز بابا کی تحریک پر کشف المحجوب کو آسان کر کے لکھنا شروع کیا۔

فیروز بابا نے فرمایا کہ

''کشف المحجوب میں سے جو بات سمجھ نہ آئے حضور داتا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کریں کہ حضور آپ کی کتاب کشف المحجوب کے فلاں باب اور فلاں صفحے پر فلاں چیز میری سمجھ سے باہر ہے۔ وہ سمجھا دیں حضور داتا صاحب خود ہی رہنمائی فرما دیں گے۔

مترجم بیان فرماتے ہیں کہ جونہی مجھے کوئی مشکل پیش آتی میں حضور داتا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاتا مسئلہ بیان کرتا اور دعا مانگتا اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کا حل اور سمجھ میرے دماغ میں ڈال دیتا۔

(معارف اولیاء:۲۱۷)

☆ کشف المحجوب کو آسان بنانے کے لئے جہاں لفظوں کے عام فہم معنی لکھے گئے ہیں اور جملوں کو بھی چھوٹا کیا گیا ہے وہاں بات کو قابل فہم بنانے کے لئے پیرا گرافی کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔

☆ بعض جگہ بات واضح کرنے کے لئے مترجم نے اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔

☆ آسان کشف المحجوب میں ہر بزرگ اور ولی کی زبان سے نکلنے والی باتوں کو مکالمے کے انداز میں الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے۔

☆ حضور داتا صاحب کے خیالات کو ''حضور داتا صاحب نے فرمایا ہے'' لکھ کر الگ سے

Marfat.com

واضح کردیا گیا ہے۔اس سلسلے میں جب حضور داتا صاحب سے رہنمائی کی گزارش کی گئی تو آپ کی طرف سے بھی اسی اسلوب نگارش کی تاکید ہوئی۔ بلکہ اس سلسلے میں مزید یہ آگاہی بھی ہوگی کہ داتا صاحب نے کشف المحجوب چونکہ اپنے دوست ابوسعید ہجویری کی فرمائش پر ان کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے لکھی تھی۔ لہٰذا اس نوعیت کی کتاب کے لئے ایسا طرز تحریر بھی زیادہ بہتر ہے۔

☆ مترجم خود بیان کرتے ہیں کہ فارسی نسخے کے علاوہ یہی مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری اور فضل دین گوہر کے تراجم میرے زیادہ کام آئے۔

۵۔کشف المحجوب

مترجم: میاں محمد طفیل

طبع اول کو دیباچے میں میاں محمد طفیل صاحب خود ہی اپنے ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''خاص فلسفیانہ بحثوں اور مسائل کی صوفیانہ توجیہات کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو پرانے اسلوب نگارش کا حصہ تو ہیں لیکن اصل مضمون اور مقصد بیان سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔طبع دوم کے دیباچہ میں مزید آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''بعض مقامات پر مشائخ وصوفیا کے بعض اقوال پر کچھ حضرات نے جو اعتراضات و اشکالات میرے پاس بھیجے تھے کہ یہ لغت کے خلاف پڑتے ہیں ان سب کو بھی میں نے اسلوب بیان میں تبدیلی یا حاشیوں کی مدد سے رفع کر دیا ہے۔

(طفیل محمد، کشف المحجوب، اسلامک پبلی کیشنز، اشاعت ہشتم، ۱۹۸۰ء)

اپنے ترجمہ کے مقدمہ میں آپ لکھتے ہیں کہ تین چیزوں کا میں نے اضافہ کیا ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ ان آیات اور احادیث کے بھی حوالے دے دیے ہیں جن کو حضرت علی

ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات کے ثبوت اور وضاحت میں پیش کیا ہے۔

۲۔ دوسرے جہاں مجھے ان آیات و احادیث اور اقوال کے علاوہ اس مضمون کی کوئی اور آیت حدیث یا قول ملے ہیں تو انہیں بھی میں نے شامل کر دیا ہے۔ تاکہ اصل مضمون زیادہ سے زیادہ خوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ادا ہو جائے۔

۳۔ مصنف کی زندگی کے مختصر حالات کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ ان کی شخصیت اور کوائف سے بھی قاری کو واقفیت حاصل ہو جائے۔

۶۔ کشف المحجوب

مترجم: مولانا بشیر حسین ناظم

☆ مولانا بشیر حسین ناظم نے کشف المحجوب کے ترجمہ کے سلسلے میں نہایت اہم کاوش فرمائی ہے۔ آپ نے کشف المحجوب فارسی متن کے تمام نسخہ جات کو سامنے رکھ کر اس کا بڑا پیارا، شستہ و عمدہ اور ادبی ترجمہ فرمایا ہے۔

☆ مترجم کا نہایت اہم کام جو قابل تحسین ہے وہ یہ ہے کہ مترجم نے سابقہ تراجم کشف المحجوب میں موجود اغلاط کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

☆ مترجم نے ترجمہ کرنے سے پہلے درج ذیل کشف المحجوب کے فارسی متون کا تقابلی جائزہ بھی کیا۔

۱۔ کشف المحجوب فارسی نسخہ تہران طبع اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۔ کشف المحجوب از استاد محمد حسین تسبیحی

۳۔ کشف المحجوب نسخہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی مملوکہ مولوی محمد شفیع مطبوعہ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب

۴۔ پروفیسر ژوفسکی

Marfat.com

۵۔ کشف المحجوب نسخہ تاشقند

☆ آپ نے صرف اردو مترجمین کے کشف المحجوب کے تراجم میں موجود اغلاط کی نشاندہی نہیں کی بلکہ آپ نے کمال مہارت کے ساتھ کشف المحجوب کے فارسی نسخہ جات کا مطالعہ کرتے ہوئے فارسی نسخہ جات میں موجود اغلاط کی نشاندہی بھی کی ہے۔

☆ آپ نے صرف لفظی اغلاط کی نشاندہی نہیں کی ہے بلکہ بعض مترجمین کی عبارات پر بھی گرفت فرمائی جو کہ اصل فارسی عبارت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

☆ بعض مترجمین نے قرآنی آیات اور احادیث غلط لکھی ہوئی ہیں اس کی بھی آپ نے جا بجا نشاندہی کی ہے۔

☆ آپ نے کشف المحجوب کا ترجمہ کرتے وقت فارسی متن نسخہ ماسکو سے کیا ہے۔

☆ بعض مترجمین نے کشف المحجوب میں موجود اسماء کو غلط لکھا ہوا ہے آپ نے اس کی اور اماکن کی نشاندہی بھی فرمائی اور ان کو صحیح بھی کیا۔

☆ کشف المحجوب کا ترجمہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتب تصوف جو عربی میں امہات الکتب جانی جاتی ہیں ان کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ جن میں اللمع، قوت القلوب، طبقات الصوفیہ، التعرف، شرح التعرف، رسالہ قشیریہ، فتوح الغیب، الفتح الربانی، غنیۃ الطالبین کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ بالخصوص وہ کتب تصوف جن کا مطالعہ حضور داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب لکھتے وقت کیا ہے۔ ان کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

مترجم نے ان تمام کتب تصوف کا پہلے مطالعہ کیا اور اسماء رجال و اماکن سے آگاہی حاصل کی۔

اختتام

Marfat.com

اکثر مترجمین نے ژوفسکی کے تصحیح شدہ نسخے اور محکمہ اوقاف کی طرف سے چھپنے والے کشف المحجوب کے فارسی نسخے کو سامنے رکھتے ہوئے کشف المحجوب کا اردو ترجمہ کیا۔ مترجمین نے بڑی محنت کے ساتھ مصنف نے مفہوم اور منشا کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان فارسی نسخوں میں جو اغلاط رہ گئی تھیں ۔ ان پر غور نہیں کیا گیا جس کی نشاندہی مولانا بشیر حسین ناظم نے بڑے احسن انداز میں کی ہے۔ مولانا بشیر حسین ناظم نے ہر ترجمے کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے اس کے علاوہ اس نے صرف ایک دو ہی فارسی نسخوں کو سامنے نہیں رکھا بلکہ ترجمہ کرتے وقت پاکستان میں موجود تمام فارسی نسخہ جات کو سامنے رکھا۔

اس لئے اس نے نہ صرف اردو تراجم میں موجود اغلاط کی نشاندہی ہی نہیں کی بلکہ فارسی نسخہ جات میں موجود اغلاط کی نشاندہی بھی کی ہے۔

محکمہ مذہبی امور و اوقاف کے تحت مرکز معارف اولیاء کی انتظامیہ نے مجلّہ معارفِ اولیاء نے مختلف اوقات میں کشف المحجوب پر تحقیقی کام کیا۔

2006ء میں کشف المحجوب نمبر شائع کیا۔

2007ء میں مجلّہ معارفِ اولیاء میں کشف المحجوب کے اردو، انگریزی، پنجابی اور سندھی ترجموں کے دیباچہ جات اور مقدمات کو شائع کیا۔

2011ء میں مجلّہ معارفِ اولیاء میں کشف المحجوب کی روشنی میں حضور داتا گنج بخشؒ کے افکار و مناقب کو شائع کیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کشف المحجوب، صاحب کشف المحجوب، فارسی نسخہ جات، اردو تراجم دیگر زبانوں میں موجود تراجم پر مقالہ جات لکھوائے جائیں اور اس پر سیمینارز کروائے جائیں تاکہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو عام کیا جا سکے۔

Marfat.com

مصادر و مراجع

۱۔ بشیر حسین ناظم، ارمغان موہوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، لاہور، کرمان والا بک شاپ، ۲۰۰۷ء

۲۔ جی آر اعوان، آسان کشف المحجوب، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء

۳۔ دارالشکوہ، سفینۃ الاولیاء

۴۔ طفیل محمد، میاں، کشف المحجوب، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء

۵۔ عبدالقادر جیلانی، سیدنا، غنیۃ الطالبین

۶۔ عبدالماجد دریا آبادی، تصوفِ اسلام، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور

۷۔ عبد المجید یزدانی، گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، لاہور، ناشران قرآن لمیٹڈ، ۱۹۶۸ء

۸۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء

۹۔ فاروق القادری، سید محمد، کشف المحجوب، لاہور، فرید بک سٹال، ۲۰۰۱ء

۱۰۔ مجلّہ معارف اولیاء، مدیر اعلی، ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، لاہور: مرکز معارف اولیاء محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب، ۲۰۰۷ء

۱۱۔ محمد احمد قادری، سید ابو الحسنات، کلام المرغوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

Marfat.com

کشف المحجوب کے عربی ترجمہ پر ایک نظر

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر *

مُرشدِ لاہور حضرت ابوالحسن علی بن عثمان رحمتہ اللہ علیہ جو جلابی، ہجویری اور لاہوری کہلائے اور شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے جنہیں ''سیّد ہجویر''، ''مخدومِ امم'' اور ''پاسبانِ عزتِ امّ الکتاب'' کے محترم القابات سے یاد کیا(۱) کی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' اسم بامسمّٰی ہے اور حق شناسی کے لیے تمام پردے چاک کرتی، ظلماتِ کفر وضلال کو نابود کرتی اور طالبانِ حق کو حضورِ حق تک پہنچانے کے لیے ایک مرشد و رہنما کا کام دیتی ہے۔ فارسی کے صوفی شاعر و مدح سرائے نبوی ﷺ ملا ''عبد الرحمٰن جامی'' نے مرشدِ لاہور کا تذکرہ اپنی کتاب ''نفحات الأنس'' میں انتہائی محبت اور احترام سے کیا ہے اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف کے متعلق فرمایا ہے کہ:

''یہ عظیم کتاب فنِ تصوف وزہد کی ایک قیمتی، مشہور اور معتبر کتاب ہے''(۲)۔

اور حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمتہ اللہ علیہ از راہِ عقیدت واحترام فرمایا کرتے تھے کہ:

''کشف المحجوب'' حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ کی تصنیف ہے، اگر کسی سالک کو مرشد ورہنمائے طریقت میسر نہ ہو تو اسے اس کتاب کے مطالعہ سے ہی گوہرِ مقصود میسر آجائے گا(۳)۔''

برصغیر پاک وہند کے مردِ حق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس ''داتا کی نگری''

* استاذ کرسی ہجویری چیئر، اورئینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

شہر لاہور کو بلادِ برعظیم کے لیے ''قطب الارشاد'' یعنی محورِ ہدایت و مرکزِ راہنمائی قرار دیتے تھے کہ یہاں صاحبِ کشف المحجوب محوخواب و استراحت ہیں جنہوں نے بتکدۂ ہند میں اپنے دستِ مبارک سے شجرۂ توحید لگایا، سینچا اور اسے پروان چڑھایا! (۴)

بہر حال مرشد مخدومِ لاہور کی یہ عظیم و جلیل کتاب اسلامی تصوف پر اولین تصنیف ہے جو فارسی میں لکھی گئی اور اسے فارسی میں وہی حیثیت حاصل ہے جو عربی زبان کی کتبِ تصوف میں ابونصر سراج کی ''کتاب اللمع'' کو حاصل ہے۔ ''کشف المحجوب'' سے پہلے فارسی میں اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی (صرف کلاباذی کی کتاب ''التعرف'' کی فارسی شرح کا ذکر ملتا ہے جو مستملی بخاری نے کی تھی!) اس لیے کشف المحجوب کو برعظیم ہی نہیں پوری اسلامی دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح حضرت داتا گنج بخشؒ فیضِ عالم مظہرِ نورِ اسلام کے وجود سے شہر لاہور کو اسلامی دارالحکومت ہونے کا شرف حاصل ہوا تو اسی طرح یہ کہنا بھی بجا ہے کہ ان کی کتاب مستطاب ''کشف المحجوب'' اسلامی تصوف کا ایک مینارۂ نور ہے جس کی رہنمائی دینے والی روشنی پورے عالم اسلام بلکہ تمام جہان دنیا کے سالکان طریقت اور طالبانِ حق کو راہِ ہدایت دکھا رہی ہے۔ اسی لیے تو شاعرِ مشرق نے اس عظیم مبلغِ اسلام اور داعی حق کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا: (۵)

سیّدِ ہجویر مخدومِ امم — مرقدِ او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبح ما از مہرِ او تابندہ گشت

Marfat.com

عاشق و ہم قاصد تیارِ عشق از جبینش آشکار اسرارِ عشق!

حضرت داتا گنج بخشؒ کی کشف المحجوب کے ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ ان کی آخری تصنیف بھی ہے۔ اور گردشِ زمانہ اور عواصفِ ایام کی دست برد سے بچ رہنے والی واحد کتاب بھی ہے۔ آپ کی دیگر تمام تصانیف، بشمول ان کا دیوانِ شعر، مفقود ہیں اور صرف نام باقی رہ گئے ہیں (یہ الگ بات ہے کہ حضرتؒ کی ان مفقود تصانیف کے تذکرے، اقتباسات اور حوالے کشف المحجوب میں جا بجا ملتے ہیں)۔ جیسا کہ عرض ہوا یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی اور غزنوی عہد کی فارسی نثر کی ایک نمائندہ کتاب کہی جا سکتی ہے، اسی طرح فارسی زبان میں اسلامی تصوف پر یہ اولین تصنیف ہے اور اس دور میں لکھی جانے والی چند معتبر و مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ داتا صاحبؒ کی یہ کتاب اپنے موضوع پر نہ صرف یہ کہ ایک منفرد کتاب ہے بلکہ جامعیت و کمال کے لحاظ سے بھی ایک بے مثال و بے نظیر تصنیف ہے۔ قرائن سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب حضرت داتا گنج بخشؒ کی زندگی کے آخری دس پندرہ سالوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ مگر اس تصنیف کی تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ البتہ اتنی بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر کی یادگار ہے(٦)۔

اسلامی تصوف کے اس منارۂ نور کے تراجم دنیا کی متعدد زبانوں میں کیے جا چکے ہیں جن میں عربی، اُردو اور انگریزی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ کشف المحجوب کے فارسی متن کے متعدد مطبوعہ نسخے متداول ہیں جن میں سے روسی مستشرق (ژوکوفسکی) اور ایرانی سکالر ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی اور محمود عابدی کے محققانہ ایڈیشن خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر تسبیحی کے بیان کے مطابق کشف المحجوب کے دریافت شدہ خطی نسخوں کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے جو قدیم زمانوں میں موجود تھی، جب مطابع اور پریس وجود میں نہیں آئے تھے۔ یہ حضرت داتا صاحبؒ کی اس شہرۂ آفاق تصنیف کی مقبولیت کی بھی دلیل ہے۔ تاہم کتاب کے مطبوعہ نسخوں کی طرف ڈاکٹر

Marfat.com

تسبیحی متوجہ نہیں ہوئے لیکن مصری خاتون سکالر ڈاکٹر ''اِسعاد عبدالہادی قندیل'' نے کتاب کے آٹھ مطبوعہ نسخوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے تین پاکستان میں، تین ایران میں اور دو معدوم سوویت یونین میں (یعنی ۱۳۳۰ھ میں سمرقند سے ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ سے) ہیں۔ یہ لینن گراڈ کا تاریخی مطبوعہ ایڈیشن پروفیسر ژوکوفسکی کی محنت کا نتیجہ ہے جنہوں نے کتاب کے پانچ خطی نسخے سامنے رکھ کر اسے ایڈٹ کیا جن میں ایک مشہور مخطوطۂ تاشقند بھی شامل ہے۔ جو ۱۰۴۶ھ میں لکھا گیا اور تاشقند کی پبلک لائبریری کی زینت ہے (۷)۔

ڈاکٹر اِسعاد نے کشف المحجوب کے گیارہ خطی نسخوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے پانچ وہ ہیں جن سے ڈاکٹر ژوکوفسکی نے استفادہ کیا تھا اور پانچ نسخے انڈیا آفس لائبریری (جو اب برطانوی عجائب گھر کی لائبریری کا حصہ بن چکی ہے) اور پانچواں مخطوطہ دارالکتب المصریہ (جو اب مصر کی عظیم قومی لائبریری ''ہیئۃ الکتاب المصری'' میں ضم ہو چکی ہے) میں محفوظ ہے۔ برطانوی مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے کشف المحجوب کے انگریزی ترجمہ کے لئے لاہور ایڈیشن استعمال کیا تھا جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا تھا (۸)۔

کشف المحجوب کے کئی ایک اردو تراجم بھی موجود و متداول ہیں لیکن ان اردو تراجم کے متعلق اہلِ نقد و بصیرت کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ترجمہ بھی ایسا نہیں جو نقائص سے مبرا ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کتاب کی فارسی نثر قدرے مشکل ہے اور مترجمین کے قابو میں نہیں آتی، ایک تو اس لیے کہ ابتدائی غزنوی عہد میں فارسی کی نوک پلک ابھی درست نہیں ہوئی تھی، فارسی شاعری تو ''رودکی'' سے ''فردوسی'' تک پہنچتے پہنچتے کافی پختہ ہو گئی تھی لیکن فارسی نثر کو ابھی کوئی ''رودکی'' یا ''فردوسی'' نہیں ملا تھا اور وہ ادبی میدان کے علاوہ حکومتی ایوانوں سے عربی کو مکمل طور پر بے دخل کر کے اقتدار سنبھالنے کے قابل بھی نہ ہو پائی تھی۔ دوسری وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت داتا گنج بخشؒ عربی زبان اور علومِ اسلامیہ کے ماہر تھے اس لیے یوں لگتا ہے کہ یا تو پہلے وہ عربی میں

Marfat.com

لکھتے ہوں گے اور پھر اسے اپنے وقت کی متداول فارسی کا جامہ پہناتے ہوں گے یا کم سے کم سوچتے تو عربی میں ہوں گے، اس لیے ان کے فارسی جملے اور عبارات عربی کے قریب ہیں۔ یہ بات بھی اس صورتِ حال میں پوری طرح کارفرما ہے کہ کشف المحجوب کے فاضل مصنف کے سامنے فارسی زبان کا کوئی مصدر یا مأخذ بھی موجود نہیں تھا اور ان کے تمام تر مآخذ و مصادر عربی زبان میں تھے۔ چنانچہ یا تو وہ عربی سے اخذ و ترجمہ سے کام لیتے تھے اور یا عربی جملے اور عبارات مع فارسی ترجمہ پیش کر دیتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مصادر و مآخذ میں چار عربی کتب تصوف کو بنیادی حیثیت حاصل تھی:

۱۔ ابونصر سراج طوسیؒ کی ''کتاب اللمع''۔

۲۔ کلاباذیؒ کی کتاب ''التعرف لمذہب اہل التصوف''۔

۳۔ امام قشیریؒ کا ''الرسالۃ القشیریۃ''۔

۴۔ ابوطالب مکیؒ کی کتاب ''قوت القلوب''۔

میں نے کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ محسوس کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ شاید سوچتے عربی میں ہوں گے اور پھر لکھتے فارسی میں ہوں گے! اس طرح ان کی فارسی نثر ایک اعلیٰ مگر ابتدائی نمونہ ہوتے ہوئے بھی قدرے الجھن اور مشکل کی زد میں آ گئی۔ اسی لیے سوائے عرب مترجم کے باقی زبانوں کے مترجمین کو دقت پیش آئے گی۔ اگر وہ عربی سے بالکل ہی نابلد ہوئے تو پھر اور بھی مشکل ہوگا۔

کشف المحجوب کی عربی مترجم محترمہ ڈاکٹر اِسعاد عبدالہادی قندیل مصر کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ (جناب عبدالہادی قندیل بھی ایک عالم و فاضل انسان تھے) ڈاکٹر اِسعاد نے قاہرہ کی عین شمس یونیورسٹی سے ۱۹۶۴ء میں فارسی میں ایم-اے کیا تو حضرت داتا گنج بخشؒ کے ایک معاصر صوفی اور ولی اللہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ کے حوالے سے جو تحقیقی مقالہ

لکھا اس کا عنوان تھا: ''ابوسعید بن ابی الخیر مع ترجمہ کتاب أسرار التوحید''۔ یہ بھی فارسی میں ایک کتابِ تصوف ہے جو انہی ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر کے ایک پڑپوتے محمد بن المنورؒ کی تصنیف ہے اور ابوسعیدؒ کے تذکرے کے علاوہ اسلامی تصوف کے مسائل سے بھی بحث کرتی ہے، پھر ڈاکٹریٹ کا مرحلہ آیا تو ڈاکٹر اِسعاد نے حضرت داتا گنج بخشؒ کو اپنا موضوعِ تحقیق بنایا، مقالہ کا عنوان تھا، ''الھجویری ومذھبہ فی التصوف کما یبدو من کتابہ کشف المحجوب'' (یعنی حضرت ہجویریؒ کا مسلکِ تصوف جیسا کہ ان کی کتاب کشف المحجوب سے عیاں ہے) اس مقالہ پر انہیں ۱۹۶۹ء میں عین شمس یونیورسٹی قاہرہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوئی۔ اس علمی کام کے بعد بھی انہوں نے اس موضوع کو فراموش نہیں کیا اور اپنے فاضل اُستاذ ڈاکٹر ابراہیم امین شورابی کی اس خواہش بلکہ حسرت کی تکمیل کو مدِ نظر رکھا کہ ''اسرارِ التوحید'' اور کشف المحجوب کو عربی زبان میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر اِسعاد صاحبہ نے تصوفِ اسلامی کے اس منارۂ نور کو اپنے مفصل مقدمہ کے ساتھ مکمل کیا۔ مقدمہ سے قبل چند سطور بطورِ دیباچہ تحریر کیں جن کا عنوان ہے ''حرفِ وفا''۔ جس میں لکھتی ہیں:

> ''جب میں عین شمس یونیورسٹی قاہرہ میں فیکلٹی آف آرٹس کی طالبہ تھی تو میرے فاضل استاذِ فارسی ڈاکٹر ابراہیم امین شورابی نے کلاس لیکچر کے دوران دو کتابوں کا تذکرہ بے حد دلچسپ مگر درد بھرے انداز میں کیا اور فرمایا تھا کہ اسلامی تصوف پر ''اسرار التوحید'' اور ''کشف المحجوب'' دو عظیم کتابیں ہیں جنہیں ایڈٹ کرنے اور یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ کرنے میں بھی مستشرقین ہم پر سبقت لے گئے ہیں، کاش کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ انہیں عربی زبان میں منتقل کر کے عرب اہلِ علم کی ان دو عظیم الشان کتابوں تک رسائی ممکن بنا دے تا کہ وہ تصوف و فکرِ اسلامی کے متعلق مفید

Marfat.com

معلومات سے براہِ راست استفادہ کرنے کے قابل ہو جائیں!''

یوں ڈاکٹر اِسعاد عبدالہادی قندیل نے اپنے اُستاذ کی اس آرزو کی تکمیل کر دی، اور دونوں کتابیں: ''اسرار التوحید'' اور ''کشف المحجوب'' عربی کے صوفی لٹریچر کا حصہ بن گئیں!

کشف المحجوب کے عربی ترجمہ پر مزید گفتگو سے قبل یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اچھا اور معیاری ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں، کم از کم اتنا حقیر اور آسان تو بالکل نہیں جتنا ہمارے ہاں کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ اچھا اور معیاری مترجم ہونا بھی ایک مسلّم فن ہے اور اس میں کمال پیدا کرنا ہر کہ ومہ کو نصیب نہیں ہوتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس حقیقت کو بھی سب سے پہلے اہلِ مغرب نے ہی دریافت اور تسلیم کیا ہے۔ آج یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ترجمہ کرنے کی تعلیم وتربیت کے لیے الگ اور مستقل شعبے قائم ہیں جہاں ایک زبان سے دوسری زبان میں علوم ومعارف کو منتقل کرنے کا فن سکھایا جاتا ہے تاکہ ایک قوم کے کمالاتِ علم ودانش سے دوسری قوم کے لوگ آگاہ ہوں۔ عالمِ اسلامی کی تاریخی بلکہ تاریخ ساز اسلامی یونیورسٹی جامعہ ازہر کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ جہاں اس کام کے لیے ایک مستقل شعبہ ہی نہیں بلکہ پوری فیکلٹی قائم ہے'' کلیۃ اللغات و الترجمہ'' یعنی فیکلٹی آف لینگوئجز اور ٹرانسلیشن (اس فیکلٹی میں راقم کو مہمان استاذ کی حیثیت سے پڑھانے کا اعزاز بھی حاصل ہے!!) یہ فیکلٹی تیس زبانوں پر مشتمل ہے جن میں یورپ، افریقہ اور ایشیاء کی دس دس زبانوں کے شعبے قائم ہیں جہاں ان تیس زبانوں کے مترجم تیار کیے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اہم شعبہ عبرانی زبان کا ہے۔ مصر نے ابھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا مگر عبرانی زبان کے تمام اخبارات ورسائل مطبوعات اسرائیل سے مصر پہنچتی تھیں لیکن براہِ راست نہیں بلکہ براستہ یورپ وامریکہ۔ مصری کہتے تھے کہ جب تک یہ پتہ نہ ہو کہ دشمن قوم آپ کے خلاف کیا کیا لکھتی ہے اور کہتی ہے اس وقت تک آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ تو کہتے تھے کہ ایک فرمان

Marfat.com

نبوی ﷺ ہے:

"تعلموا لغة قوم تأمنوا شرهم"

(کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے!)

جس زمانے میں جنرل محمد صفدر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے تو میں نے یونیورسٹی اورئینٹل کالج کے پرنسپل اور ڈین کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی میں اس قسم کا ادارہ قائم کرنے کی تجویز دی تھی اور انہوں نے نہ صرف اسے پسند کیا تھا بلکہ نئے کیمپس میں اس کے لئے جگہ کی بھی نشاندہی کر دی تھی مگر بعد میں یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا لیکن میں نے اورئینٹل کالج میں ہندی زبان کا مستقل شعبہ قائم کر دیا اور بی اے، ایم اے کے نصابات بنا کر منظور کروا لئے تھے مگر بعد میں یہ بھی علم دوستی اور دانش پروری کی نذر ہو گیا۔ لوگ طنز کرتے تھے کہ اب تو قوم کو بتوں کو "پرنام" کرنے اور "نمستے" کہنے کی تربیت دی جائے گی! میں کہتا تھا کہ ہندی زبان آج بیس کروڑ مسلمانوں کی زبان بھی ہے۔ مسلمان بچوں کے لیے بہترین کتابیں تیار کرنے کی ضرورت ہے! پھر آپ کو یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ ایک ارب انسانوں کے لیے اس زبان میں اسلام، پاکستان اور مسلمانوں کے متعلق کیا کچھ لکھا جا رہا ہے اس سے ہمیں آگاہی حاصل کرنا ہے! آج جو آدمی بھی واہگہ بارڈر کراس کرتا ہے یا دہلی کے ہوائی اڈے پر اترتا ہے تو وہ ہندی میں لکھے ہوئے سائن بورڈ بھی پڑھنے سے عاجز ہوتا ہے! مگر طوطی کی نقار خانہ میں کون سنتا ہے!!؟

بہر حال بات ہو رہی ہے ترجمہ بطورِ فن کی! اس فن میں کمال کے لیے خداداد صلاحیت کے علاوہ ہر دو زبانوں پر (یعنی اپنی زبان اور غیر ملکی زبان جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہے دونوں پر) کامل عبور رکھنا بنیادی شرطین ہیں۔ دونوں زبانوں میں سے کسی ایک پر بھی پوری گرفت نہ ہو تو بات نہیں بنتی تاہم ترجمہ اور مترجمین کی کئی ایک اقسام اور درجات ہیں۔ ایک قسم ہے لفظی ترجمہ

Marfat.com

کرنے والوں کی ہے۔اس کا بھی ایک فائدہ ہے، ہر زبان کے لفظ کے مقابل دوسری زبان کا لفظ آجاتا ہے جس سے لفظ سیکھنے میں مدد ملتی ہے اور ذہین قاری اصل بات تک بھی پہنچ سکتا ہے لیکن اس قسم کے ترجمہ میں خرابیاں اور مشکلات بھی ہیں۔مترجمین اور ترجمہ کی ایک قسم آزاد ترجمہ اور آزاد مترجمین ہے مگر ''آزاد لوگ'' بعض اوقات اس قدر آزاد ہو جاتے ہیں کہ اصل سے نہ صرف دور ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات بالکل برعکس بات بن جاتی ہے۔ بولنے لکھنے والا ایک وادی میں اور مترجم کسی دوسری وادی میں گھوم رہا ہوتا ہے۔ کہنے والا کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں آپ کا دشمن ہوں اور مترجم کہہ دیتا ہے کہ میں آپ کا دوست ہوں یہ ترجمہ خطرناک اور بعض اوقات بہت تباہ کن نتائج کا حامل ہوتا ہے

''من چه می گویم وطنبورهٔ من چه می سراید''

(میں کیا کہہ رہا ہوں اور میرا ساز کیا الاپ رہا ہے!)

کی صورت گدھے کو گھوڑا اور گھوڑے کو گدھا کہنے کا نقشہ پیش کرتی ہے۔تاہم ایک قوم کے محاورہ میں اگر ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' ہے کے بجائے ''گدھے رے گدھے کبھی تو ضد نہ کیا کر'' کا محاورہ ہو تو با محاورہ ترجمہ میں ایسا کرنا مفید ہی نہیں ضروری بھی ہے! میرے نزدیک بہترین ترجمہ وہ ہے جس میں اصل کی کوئی بات یا کوئی لفظ رہ نہ جائے۔مگر ترجمہ ایسا ہو کہ اگر کوئی ناواقف اسے سُنے یا پڑھے تو اسے اصل کا گمان ہو مگر جب کوئی تشنہ لب زبان کا ہر لفظ سیکھنا یا ڈھونڈھنا چاہے تو وہ بھی اسے میسر آ سکے۔اعتدال اور میانہ روی سب سے اچھی بات ہے۔ ترجمہ بیک وقت لفظی بھی ہو اور با محاورہ بھی لگے۔ ڈاکٹر اِسعاد کا ترجمہ اسی زمرے میں شامل ہونے کے قابل ہے!

کشف المحجوب کے عربی ترجمہ کا جو ایڈیشن زیرِ نظر ہے وہ ''دارالنهضة العربية'' بیروت کا مطبوعہ ہے اور ۱۹۸۰ء میں سامنے آیا جو سات سو صفحات پر مشتمل ہے، جن میں سے

Marfat.com

چالیس صفحات فہارس کے لیے مختص ہیں اور ایک سو اٹھاسی صفحات کا مفصل مقدمہ ہے، یہ طویل مقدمہ گویا ڈاکٹر اِسعاد کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جس پر انہیں ۱۹۶۹ء میں ڈگری عطا ہوئی تھی۔ یوں یہ مقدمہ گویا حضرت داتا گنج بخشؒ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے (تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل یہ مقدمہ اگر کتابی شکل میں داتا دربار کی انتظامیہ یا محکمہ اوقاف حکومتِ پنجاب عرب دنیا میں عام کرنے کے لیے شائع کرے تو نہ صرف یہ کہ عظیم و جلیل مسلمان صوفی کا تعارف ہوگا بلکہ پاکستان کے لیے خیر سگالی کے جذبات کا موجب بھی ہوگا)۔ یہ مفصل مقدمہ (جسے مترجم نے حصہ اول اور اصل کتاب کو حصہ دوم قرار دیا ہے) دو ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں چودہ فصلیں ہیں۔ پہلا باب حضرت داتا گنج بخشؒ کی سیرت و سوانح حیات پر مشتمل ہے اس کی پہلی فصل ''عہدِ ہجویری'' کے عنوان سے ہے جس میں مرشدِ لاہور کے عہد کے مفصل حالات ہیں۔ دوسری فصل سید ہجویر کے عہدِ مبارک میں اسلامی تصوف کی صورتِ حال سے بحث کرتی ہے۔ تیسری فصل میں حضرت داتا صاحبؒ کے حالاتِ زندگی کی تفاصیل ہیں جن میں ان کے اصلی وطن غزنہ و لاہور کا تعارف، خاندان اور نسب و پیدائش وغیرہ کا ذکر ہے۔ چوتھی فصل مصنفِ کتاب کی تعلیم، اساتذہ اور معاصرین سے بحث کرتی ہے۔ پانچویں فصل حضرت داتا صاحبؒ کے اسفار کی تفصیل ہے جو آپ نے حصولِ علم اور سیر و سیاحت کے لیے اختیار کئے تھے۔ چھٹی فصل میں ان کے آخری سفرِ لاہور، وفات اور مدفن کا تذکرہ ہے۔ اس باب کی ساتویں اور آخری فصل حضرت داتا صاحبؒ کی تصانیف کے تذکرے کے لیے مختص ہے۔ (۹)۔

مقدمہ کا دوسرا باب کشف المحجوب کے تنقیدی مطالعہ کے لیے مختص ہے اس کی سات فصلوں میں سے پہلی فصل میں ڈاکٹر اِسعاد نے کتاب کے نام، موضوع اور تاریخ تصنیف سے بحث کی ہے۔ دوسری فصل میں کشف المحجوب کے ابواب و اقسام کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل کتاب کے مآخذ و مصادر سے بحث کرتی ہے۔ چوتھی فصل میں فاضل محققہ نے قدیم و معاصر کتب تصوف

Marfat.com

میں کشف المحجوب کے مرتبہ ومقام پر تبصرہ کیا ہے۔ پانچویں فصل میں بتایا گیا ہے کہ مصنف اپنے سے پہلے یا معاصرین سے کیسے اور کتنے متاثر ہوئے اور آپ کی تصنیف نے بعد میں لکھی جانے والی تصوف کی کتابوں پر کیا اثر ڈالا۔ چھٹی فصل کشف المحجوب کی علمی قدر و قیمت سے بحث کرتی ہے جب کہ ساتویں اور آخری فصل میں کشف المحجوب کے خطی نسخوں، مختلف مطبوعہ نسخوں اور انگریزی ترجمہ سے مفصل بحث ہے(۱۰)۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر اِسعاد عبدالہادی قندیل کا یہ فاضلانہ ومحققانہ مقدمہ حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیت اوران کی اس عظیم کتاب کے کسی پہلو کو فراموش نہیں کرتا۔

مصری خاتون سکالر محترمہ ڈاکٹر اِسعاد کی یہ فاضلانہ ومحققانہ کوشش یقیناً سعی مشکور کے ضمن میں آتی ہے۔خوبصورت اسلوبِ بیان ہے جونہایت سادہ مگر آسان بھی ہے، کسی جگہ بناوٹ یا تکلف کا احساس نہیں ہوتا ایک بیساختہ اسلوب جس کا ہر لفظ اپنے حقیقی معنی ومدلول کی نمائندگی کرتا دکھائی دیتا ہے، اسلوب کی یہ سادگی اور سہولت بھی فصاحت و بلاغت کی ایک قسم ہے جسے ''علم المعانی'' کی زبان میں ''سہل ممتنع'' کہا جاتا ہے۔مقدمہ ایک مفصل و جامع تعارف اور حقیقت پسندانہ تبصرہ بھی ہے۔ یہ وسیع معلومات اور قیمتی آراء قابلِ قدر اور مستحقِ تحسین ہیں اور کشف المحجوب کو عرب قاری کے لئے واقعی ''کشف المحجوب'' بنا دیتی ہیں! یہ مقدمہ نہیں ایک مستقل کتاب ہے جو ڈاکٹر صاحبہ کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا عکس اور جوہر ہے اور کتاب کے ساتھ ساتھ اس کے مصنف کی شخصیت کے تمام تر پہلو قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس مقدمہ کا اردو ترجمہ اہلِ پاکستان کے لیے بے حد مفید اور محکمہ اوقاف کے اعمالِ خیر میں بھی شمار ہوگا۔ یہ ترجمہ حضرت داتا گنج بخشؒ اوران کی گراں بہا تصنیف کو سمجھنے میں بھی بے حد کارآمد ثابت ہوگا!

لیکن اس مقدمہ کی بعض شاذ و نادر کوتاہیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے اور اس کی

Marfat.com

اہمیت کا کماحقہ اعتراف کرتے ہوئے یہاں کشف المحجوب کے عربی ترجمہ پر بھی ایک ناقدانہ نظر ڈالنا چاہیے جو ہمارے اس مختصر مقالہ کا اصل موضوع ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس ترجمہ سے سید ہجویریؒ کا اصل پیغام مکمل اور واضح طور پر فارسی سے عربی میں منتقل ہو کر عرب قاری تک پہنچ گیا ہے؟ یا کوئی کمی رہ گئی ہے؟! میرے لیے اس سوال کا جواب اثبات میں دینا مشکل ہو رہا ہے مگر تنقید اور تبصرہ سے پہلے یہ اعتراف ضروری ہے کہ فاضل مترجمہ نے ترجمہ کا یہ کام انتہائی اخلاص اور محنت سے انجام دیا ہے اور دانستہ طور پر کہیں کوتاہی کی مرتکب نہیں ہوئیں، اس سے آپ یہ یقین کر سکتے ہیں کہ حضرت داتا صاحبؒ کی بات عرب قاری تک پہنچ گئی ہے۔ بلکہ یہ حقیقتِ حال بھی قابلِ توجہ ہے کہ کم سے کم دنیا میں تین زبانیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اور وہ ہیں عربی، فارسی اور اردو۔ تینوں کا سرمایہ لفظی یا ذخیرۂ الفاظ ایک سا ہے اور تینوں ایک ہی رسم خط میں لکھی جاتی ہیں۔ ان تینوں کا باہمی رشتہ و تعلق بھی بہت قریبی اور گہرا ہے۔ عربی، حقیقت میں فارسی اور اردو دونوں کی ''ماں'' ہے بلکہ ایسی ماں ہے جو اردو کی تو ''نانی'' بھی ہے یعنی فارسی اور اردو بیک وقت باہم رشتۂ اخوت میں بھی منسلک ہیں (کہ عربی کی ''بیٹیاں'' ہیں!) مگر اردو نے فارسی سے بھی کچھ لیا ہے اور عربی کی نسبت یہ دونوں فارسی اور اردو...... ایک دوسرے کے قریب تر ہیں کہ دونوں اپنی اصل اور ساخت کے لحاظ سے ایسی آریائی زبانیں ہیں جو ایک سامی زبان.... عربی..... کی مرہون منت ہیں۔ اس قربت اور مشابہت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تینوں کا ذخیرۂ علم و ادب ایک سے دوسری میں منتقل کرنا بہت آسان ہے، خصوصاً عربی سے فارسی اور اردو میں ترجمہ کرنا بہت آسان ہے کیونکہ عربی زبان کے الفاظ مع معانی، فارسی اور اردو میں منتقل کرنے میں کوئی رکاوٹ اور حرج نہیں ہے اور عربی لفظ اپنے معنی سمیت جوں کا توں اردو یا فارسی میں بے دریغ استعمال کیا جا سکتا ہے اور ایسے ہوا بھی ہے۔ آج جو فارسی میں اوسطاً اسی فیصد اور اردو میں

Marfat.com

پچاس ساٹھ فی صد عربی کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ عربی والوں نے فارسی اور اردو میں عربی کے الفاظ بے دھڑک اور بے دریغ استعمال کئے ہیں۔ اسی طرح عربی فارسی کے فضلاء نے اردو میں ان دونوں زبانوں کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ الفاظ کے اس استعمال سے فارسی اور اردو کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوگیا ہے مگر قدرے بوجھل بھی ہوگئی ہیں یہی بوجھ اب وہ فارسی اردو جاننے والے محسوس کر رہے ہیں جو عربی اور فارسی نہیں جانتے۔ بالکل ایسے ہی جیسے انگریزی والے انگلش الفاظ سے فارسی اردو کا دامن تو وسیع کر رہے ہیں مگر ان پر دوگنا بوجھ بھی لادرہے ہیں کیونکہ انگریزی الفاظ کا رسم خط بھی اور ہے۔ فارسی اردو بولنے والے مسلمانوں کی غالب اکثریت نہ انگریزی جانتی ہے اور نہ اس رسم خط سے مانوس ہے۔ بہر حال فارسی اور اردو نے چونکہ عربی سے لفظ کے ساتھ خط بھی لیا ہے اس لیے عربی کا کوئی لفظ کتنا بوجھل ہو اردو، فارسی کے لیے نامانوس نہیں ہے۔ اس اُنس والفت کا سبب اسلام، قرآن اور تاریخ وثقافت ہے۔ (تفصیلی بات کی گنجائش نہیں!)

عربی، فارسی اور اردو کی اس باہمی مانوسانہ قربت ومشابہت کے فوائد تو بہت ہیں مگر ترجمہ کرتے وقت ایک نقصان کا خدشہ بھی رہتا ہے۔ خصوصاً فارسی سے عربی اور اردو سے عربی وفارسی میں ترجمہ کرتے وقت نقصان کے اس خدشہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ عربی کے جو الفاظ فارسی یا اردو میں آئے ہیں وقت گزرنے اور کثرتِ استعمال کے ساتھ ان کے معانی میں تغیر وتبدل واقع ہوگیا ہے۔ اس تغیر وتبدل کو ملحوظ نہ رکھنے سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ہمارے علمائے کرام یعنی دینی پیشوا نہ صرف عربی کے الفاظ اُردو میں بے دریغ استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ تو عربی کے وہ الفاظ جو اردو دوائے جا چکے ہیں اور ان کے معنی میں تغیر وتبدل واقع ہو چکا ہے انہیں بھی عربی کی گم شدہ میراث سمجھ کر اپنی عربی میں استعمال کرتے ہیں تو عرب اہلِ زبان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ ہمارے دینی پیشواؤں کی طرح ڈاکٹر اِسعاد بھی اس غلط فہمی کا شکار

Marfat.com

نظر آتی ہیں! اس غلط فہمی سے کشف المحجوب کے عربی ترجمہ میں بھی کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ان کے لیے سہولت تو تھی کہ کتاب کی فارسی عبارات میں اسی فی صد سے زائد ذخیرہ الفاظ بھی عربی ہے اور اسے فارسی سے عربی میں ترجمہ کرنے میں سہولت تھی جس سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا مگر عربی کے ان الفاظ میں سے بعض کے معنی تو تبدیل ہو گئے ہیں جس کا شاید فاضل مترجمہ کو احساس نہیں تھا۔بس یہی ایک بات ہے جس سے کشف المحجوب کا عربی ترجمہ متاثر ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکا! مثلاً ''مطلب'' عربی کے مصدر ''طلب'' (بمعنی ڈیمانڈ) کا حاصل مصدر ہے اور عربی میں اردو کے ''مطالبہ'' کا ہم معنی ہے۔اردو میں آ کر ''مطلب''، ''معنی'' کے مترادف کے طور پر مروج ہو گیا ہے۔آپ کہتے ہیں: ''اس لفظ کا کیا مطلب ہے، یعنی کیا معنی ہیں؟ اب اگر ''مطلب'' کو ہم عربی کا لفظ سمجھ کر کسی عرب سے مخاطب ہو جائیں تو ''میرا مطلب'' ہے کے معنی وہ سمجھے گا ''میرا مطالبہ ہے!''

آیئے ذرا رکتے ہیں کشف المحجوب کی اصل فارسی عبارات اور ان کے عربی ترجمہ کے اتفاقیہ طور پر لئے گئے چند ایک مقامات کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں جو دلچسپ بھی ہو گا اور افادیت سے بھی خالی نہیں ہو گا۔مرشدِ لاہورؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں رقم طراز ہیں (۱۱):

''گروھے از مشائخ، طریق ملامت سپردہ اند، ومر ملامت را اندر خلوص محبت تاثیرے عظیم است و مشربی تمام، و اھل حق مخصوص اند بہ ملامت خلق از جملہ عالم، خاصہ بزرگان این امت کثرھم اللّٰہ!''

دیکھئے! ڈاکٹر اِسعاد اس عبارت کو عربی میں منتقل کرتی ہیں اور کتنی سہولت و آرام سے کرتی ہیں:

''سلکت طائفة من مشائخ الطریقة، طریق الملامة، وللملامة

Marfat.com

فی خلوص المحبة تأثیر عظیم و مشرب تام، وقد اختُصَّ وأهل الحق، من بین العالم جمیعا، بملامة الخلق، و بخاصة علماء هذه الأمة. زاد اللّٰہ من أمثالهم"

ڈاکٹر صاحبہ کے عربی ترجمہ پر بات کرنے سے پہلے حضرت داتا گنج بخشؒ کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ...... جو لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی...... یعنی ہر فارسی لفظ کے مقابل اردو لفظ بھی آپ پائیں گے مگر عبارت بھی ایسی سلیس ہوگی کہ اصل کا گمان ہوگا:

"بزرگوں کے ایک گروہ نے ملامتی طریقہ اختیار کیا ہے، مخلصانہ محبت میں ملامت کو بہت موثر مانا گیا ہے اور ایک الگ مکتب فکر (ملامة یا ملامتیہ) بھی ہے، تمام انسانوں میں سے صرف اہلِ حق ہی خلقِ خدا کی طرف سے ملامت کے لیے مخصوص ہیں۔ خصوصاً اس اُمت کے بڑے لوگ، اللہ تعالیٰ ان کی تعداد بڑھائے۔"

حضرت داتا گنج بخشؒ کی فارسی عبارت...... کو سہولت و آرام...... سے عربی میں منتقل کرنے کے بعد معنی میں کیا تبدیلی آئی ہے؟ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کی عربی عبارت کا لفظی بامحاررہ ترجمہ یوں ہے:

"مشائخ طریقت میں سے ایک گروہ نے ملامت کا رستہ اختیار کیا ہے اور مخلصانہ محبت میں ملامت کو بڑی تاثیر حاصل ہے اور کامل مشرب بھی ہے۔ مخلوق کی ملامت کے لیے سب میں اہلِ حق مختص ہیں۔ خصوصاً اس اُمت کے علماء۔ اللہ تعالیٰ ان جیسی مثالیں بڑھائے!!"

کشف المحجوب کی فارسی عبارت میں عربی زبان کے جو الفاظ آئے جیسے مشائخ، طریقِ ملامت، محبت، خلوص، تاثیر، عظیم، مشرب، تام، اہلِ حق، خلق، جملہ، عالم اور خاصہ، وہ

Marfat.com

تمام کے تمام جوں کے توں ڈاکٹر اِسعاد نے استعمال کیے ہیں۔ صرف ''مخصوص'' کو ''اختص'' سے بدلا ہے، بلاشبہ یہ تمام الفاظ ہیں تو عربی کے مگر فارسی میں آنے کے بعد ان کے معنی میں فرق آ گیا ہے۔ مثلاً لفظ ''مخصوص'' جو عربی ہونے کے باوجود فارسی میں ان معنی کے لیے استعمال نہیں ہوتا جن معنی کے لیے عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے ''مخصوص'' کی جگہ ڈاکٹر اِسعاد نے ''اختصاص'' سے ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر ''خلوص'' جو عربی زبان کا اسم مصدر ہے وہ بھی مخصوص کی طرح قدیم اور جدید عربی میں معنی کے فرق کا حامل ہے۔ ''خلوص'' بھی قدیم وجدید عربی میں معنی کے فرق کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ عام گفتگو اور استعمال میں خلوص کے معنی ''خالی ہونا'' یا پھر ''بھرا ہوا'' یا ''مشغول نہ ہونا'' کے معنی دیتا ہے۔ خالص اور اخلاص کے الفاظ کی اصل بھی لفظِ خلوص ہی ہے مگر یہ خلوص خالص یا اخلاص کے مفاہیم کے لئے عام طور پر عربی میں استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اشتقاق میں لفظ کی شکل بدلنے سے معنی میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ یہ اہلِ زبان کا اپنا انداز ہے۔ اس لیے اگر وہ ''خلوصِ محبت'' کو ''خلوص المحبۃ'' ہی رہنے دینے کے بجائے ''الحب الخالص'' میں بدل دیتیں۔ تو زیادہ مناسب ہوتا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عربی عبارات کو حضرت داتا گنج بخشؒ کی فارسی عبارت کے قریب تر رکھنا پسند کیا ہوگا مگر بات محض اتنی نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی خالص عربی عبارت ''کثرھم اللہ'' کو ''زاد اللہ من أمثالھم'' میں نہ بدلتیں!! حالانکہ یہ دعائیہ کلمات ہیں اور کل کی طرح آج بھی اسی طرح عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ پھر یہ غزنوی دور کی عربی زبان کے الفاظ ہیں جس میں حضرت سید ہجویرؒ بلندیوں پر تھے۔ ''مشرب بے تام'' کو صرف ''مشرب تام'' میں بدلنے پر اکتفا کرنا بھی موزوں نہیں، اس لیے کہ عام عربی بول چال اور تحریر میں مشرب کا لفظ ''شرب (پینا)'' کے معنی میں آتا ہے۔ ''سکول آف تھاٹ'' (School of Thought) یعنی ''مکتب

فکر'' کے لیے مشرب کا لفظ شاذ و نادر ہی استعمال ہوتا ہے جبکہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی مراد ملامۃ کا مکتبِ فکر ہے اس لیے اسے ''مدرسۃ الفکر المستقلۃ'' یا ''مدرسۃ فکریۃ صوفیۃ مستقلۃ'' کہنا چاہیے تھا۔تب کہیں جا کر حضرت داتا گنج بخشؒ کا مقصود و معنی واضح ہوتا!! اسی طرح ''بزرگانِ این امت'' کا ترجمہ بھی ''علماء ھذہ الأمۃ'' درست نہیں کیونکہ کشف المحجوب میں بزرگان سے مراد صرف علماء نہیں بلکہ اس میں علماء کے علاوہ صوفیہ، اولیاء اور قائدین و مصلحین سب شامل ہیں۔اس لیے ''بزرگان'' کی طرح کوئی جامع لفظ لانا چاہیے تھا مثلاً اکابر یا کبار اور بزرگان ِایں امت، کا ترجمہ ''کبار أمۃ الاسلام'' یا ''أکابر ھذہ الامۃ'' ہونا چاہیے تھا۔ ''سلکت'' کی جگہ ''اختارت طریق الملامۃ'' زیادہ موزوں ہوتا۔اس لیے ساری عبارت یوں مناسب ہوتی:

''وطائفۃ،من الطرق الصوفیۃ، قد اختارت طریق الملامۃ، فللملامۃ فی الحب الخالص تأثیر عظیم، ومذھب تام، وقداختص اھل الحق، من بین العالم کلہ، بملامۃ الخلق، و خاصۃً أکابر ھذہ الأمۃ. کثّرھم اللّٰہ.''

اسی باب بیان الملامہ کے اسی پیراگراف میں سید ہجویریؒ کی عبارت یوں ہے(۱۲):

''ورسول اللہ ﷺ کہ مقتدا و امام اھل حقائق بود، و پیشرو محبان، تا برھان حقائق بروے پیدا نیامدہ بود، و وحی بدو نپیوستہ، بہ نزدیک ھمہ نیکنام بود و بزرگ، و چون خلعت دوستی سر سروے افکندنہ، خلق زبان ملامت بدو دراز کردند، گروھی گفتند: کاھن است! و گروھی گفتند: شاعر است! و گروھی گفتند: کاذب است! وگروھی گفتند: مجنون است! و مانند آن!''

ڈاکٹر اِسعاد اس عبارت کو عربی زبان کا جامہ یوں پہناتی ہیں(۱۳):

" و الرسول علیه السلام الذی کان قدوة و إماما لأهل الحقائق، وقدوة للمحبین، کان، قبل أن یظهر علیه برهان الحق و یتصل به الوحی، طیب الاسم و عظیما، و عندما ألبس خلعة المحبة، أطلق الخلق فیه لسان الملامة، فقالت طائفة أنه کاهن و قالت أخری أنه شاعر و قال فریق أنه کاذب و قال آخر أنه مجنون، و أمثال هذا."

آیئے ذرا اصل عبارت اور اس کے عربی ترجمہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ مصر کی یہ فاضل خاتون مترجمین کے اس زمرے میں شمار ہوتی ہیں جو لفظی ترجمہ کو ترجیح دیتے ہیں مگر ترجمہ کردہ عبارت میں اصالت کا رنگ بھرتے ہیں اسے سلیس و رواں بنانے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ کشف المحجوب کے زیادہ تر ترجمہ میں انہوں نے یہی انداز اختیار کیا ہے، مگر مترجمین کا یہ گروہ کبھی کبھی جلدی میں تساہل اور دفع الوقتی کا شکار بھی ہو جاتا ہے، جس سے اصل حسن بھی باقی نہیں رہتا اور ترجمہ کئی ایک نقائص کا آئینہ دار ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اِسعاد بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ آیئے ذرا ان کی اس عبارت کے ترجمہ کے نقائص و محاسن پر نظر ڈالتے ہیں:

ا۔ مرشدِ لاہورؒ کشف المحجوب میں رسالت مآب ﷺ کا ذکرِ خیر بڑے احترام، بے انتہا محبت اور نہایت خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے کہ "ورسول" یا "الرسول" کہنے یا لکھنے کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس کے معنی قاصد، ایلچی اور سندیسہ لانے والے کے بھی ہوتے ہیں لہٰذا عربی زبان میں رسول اور الرسول ہر اس شخص کے نام کے ساتھ آ سکتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے مگر جب اس سے مقصود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہو

Marfat.com

تو حضرت امام شافعی رسول کے ساتھ ''اللہ تعالیٰ'' کا اسمِ پاک بڑھانا ضروری قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''رسول اللہ'' یعنی ''اللہ جل شانہ کا پیغام لانے والے'' کہا اور لکھا جائے، صرف پیغام لانے والے کہنا اور لکھنا ایک گونہ روکھا پن اور بے ادبی ہے چنانچہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں حضرت داتا گنج بخشؒ یہاں پر تذکرہ نبوی ﷺ کرتے ہوئے ''ورسول اللہ ﷺ'' تحریر فرماتے ہیں جسے فاضل مترجمہ نے ''والرسول علیہ السلام'' بنا دیا ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہاں ''علیہ السلام'' دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر اپنے ہادیٔ برحق ﷺ کے لیے وہ ''صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم'' کہتے اور لکھتے ہیں۔ یہ اصل عبارت میں غلط تصرف ہے جس کا مترجم کو حق نہیں ہوتا اور یہاں مترجمہ نے اصل عبارت کے حسن میں اضافہ کے بجائے کمی کی ہے۔ ترجمہ کرتے وقت مصنف کی عبارت کے اس حسن کو کم سے کم بحال نہ رکھنا مناسب نہیں۔

۲۔ کشف المحجوب کی فارسی عبارت میں بہت سے عربی الفاظ ہیں جنہیں فاضل مترجمہ نے جوں کا توں لیا ہے۔ اس مفروضہ پر کہ یہ سب کے سب عربی کے الفاظ ہیں اس لئے عربی عبارات میں استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حق، حقائق، برہان، وحی، خلعت، خلق، ملامت، کاہن، شعر، کاذب اور مجنون۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ عربی زبان کے کثیر المعنی الفاظ جب فارسی میں گئے ہیں تو ان تمام معانی کثیرہ کے لیے استعمال نہیں ہوئے جو عربی زبان میں مروج تھے بلکہ ان بہت سے معنی میں سے کسی ایک آدھ معنی کو ادا کرنے کے لیے لفظ استعمال ہونے لگا۔ مثلاً حق اور حقائق لفظ تو دونوں عربی کے ہیں مگر صرف اس معنی کے لیے اور اسی انداز میں فارسی میں استعمال نہیں ہوتے جس طرح عربی میں ہوتے ہیں۔ حق کی جمع عربی میں حقائق نہیں بلکہ صرف حقوق ہے۔ حقائق دراصل حقیقہ یا حقیقت کی جمع ہے، مگر فارسی والے اور ان

کے تتبع میں اردو والے بھی حقائق کو حق کی ہی جمع تصور کرتے ہیں، فارسی اور اردو میں حق کی جمع حقوق بھی استعمال ہوتی ہے مگر وہ حق کے صرف ایک ہی معنی، قانونی حق کے لیے عربی میں حق کے اصل اور اولین معنی ''سچ'' کے ہیں جس طرح حقائق کا واحد ''حقیقت'' کے اصل اور اولین معنی بھی سچائی (نہ کہ سچ!) کے ہیں، جس طرح ہم سچ اور سچائی کو الگ الگ سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں اسی طرح عربی میں بھی حق اور حقیقت (یا حقیقہ) الگ الگ متصور ہوتے اور استعمال کئے جاتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی فارسی عبارت میں حقائق کا لفظ دو جگہ آیا ہے (اہلِ حقائق اور برہانِ حقائق)۔ڈاکٹر اِسعاد ''برہانِ حقائق'' کو تو ''برہان الحق'' لکھتی ہیں مگر ''اہلِ حقائق'' کو ''اہل الحقائق'' ہی رہنے دیتی ہیں حالانکہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی مراد دونوں جگہ ''حق'' ہی ہے!

۳۔ ڈاکٹر اِسعاد یہاں ''مقتدا'' اور ''پیشرو'' دونوں کا ترجمہ ''قدوہ'' کر رہی ہیں جس سے تکرارِ لفظی معیوب صورت میں سامنے آتا ہے۔اس سے عربی زبان پر فقر و تنگ دامانی کی تہمت کا اندیشہ ہے، حالانکہ ذخیرۂ الفاظ کی وسعت و کثرت تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا حسنِ اولین ہے، خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایک جگہ ''اسوۂ'' اور دوسری جگہ ''قدوہ'' استعمال کر سکتی تھیں مگر کیا کیجئے کہ عجلت و تساہل کے اپنے شاخسانے ہوتے ہیں!! اسی طرح پیشرو محبان کا ترجمہ ''قدوہ للمحبین'' کر کے آگے گذر جانا جائز نہیں کیونکہ اس سے امامِ تصوف کی مراد اور مقصد واضح نہیں ہوتا۔اس لیے کہنا چاہیے تھا: ''قدوۃ لمن یحبون اللہ عز وجل!'' ''و مانند آن'' کا ترجمہ ''و امثال ھذا'' بھی درست نہیں کیونکہ ''ھذا'' تو اسم اشارہ ہے جو مذکر قریب کے لیے آتا ہے۔ ''آن'' بھی فارسی میں غائب کے لیے آتا ہے اس لیے عربی اسلوب کے تقاضے اور فارسی اصل کے اشارہ ''آن''

Marfat.com

کوسامنے رکھتے ہوئے یا تو ''ذلک'' آنا چاہیے تھا اور یا کثرت (کاہن، شاعر، کاذب، مجنون) کالحاظ کرتے ہوئے''وامثالھا یاوامثال ھذہ'' لکھنا زیادہ صحیح تھا، اسے عجلت ودفع الوقتی پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے!

۴۔ اس فارسی عبارت کا یہ عربی ترجمہ سلاست وروانی کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ پھر ڈاکٹر اسعاد صاحبہ نے ''گروہی'' کے لیے دو الفاظ ''طائفہ''اور'' فریق'' لا کر اپنی عربی فصاحت وبلاغت کا پتہ دے دیا ہے جو یقیناً تسکینِ ذوق کا سامان اور قابلِ ستائش بھی ہے!

کشف المحجوب کی اس فارسی عبارت کو عربی زبان میں اگر یوں منتقل کیا جاتا تو شاید زیادہ مناسب ہوتا:

"ورسول اللّٰه ﷺ، الذی کان اِماما وقدوة لأهل الحق وأسوة لمن یحبون اللّٰه عزوجل، وکان یعتبر، قبل أن یشرفه اللّٰه بالرسالة و برهان الحق و ینزل علیه الوحی، طیب السمعة و عظیم الفضل، ولکن، عندما ألبسه اللّٰه تعالیٰ خلعة الحب و الکرامة من الرسالة، أطلق الناس فیه لسان الملامة فقالت طائفة.....الخ!"

یہ چند مقامات وہ تھے جو ہم نے ''باب بیان الملامۃ'' سے لئے ہیں جو کشف المحجوب کا ایک اہم باب ہے اور ایک خاص صوفی گروہ یعنی ملامتیہ سے بحث کرتا ہے، لیکن مناسب ہوگا اگر ہم کتاب کے نقطۂ آغاز سے بات شروع کر کے دیکھیں کیونکہ شروع کے اوراق وصفحات پر، لکھنے والا مکرر نظر ڈالتا ہے بلکہ مکرر لکھنا بھی پڑ جاتا ہے، خطبۃ الکتاب عربی میں ہے، اس کے بعد فارسی زبان میں اولین عبارت میں حضرت داتا گنج بخشؒ سببِ تصنیف، غرض وغایت اور طریقہ تصنیف

Marfat.com

بیان کرتے ہیں کہ" میں نے استخارہ کیا اور پھر یہ کتاب لکھنا شروع کر دیا اور ذاتی اغراض و مفادات کو اپنے دل سے بالکل نکال دیا۔ اپنے دوست کی استدعا قبول کرتے ہوئے اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کتاب کو اس کی خواہش اور مقصود کے عین مطابق مکمل کروں گا۔ میں نے اپنی اس کتاب کا نام "کشف المحجوب" رکھا ہے، اس سے دوست کا مقصد واضح ہو گیا ہے اور اس کتاب کی تصنیف میں اس کی غرض کو ابواب وفصول میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے استعانت وتوفیق طلب کی ہے اور گفتار و کردار کے ضمن میں اپنی قوت وصلاحیت سے برأت اختیار کی ہے یعنی اپنی قوت وصلاحیت پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق پر بھروسہ کیا ہے۔ وباللہ العون والتوفیق"۔

کتاب کی اولین عبارت یا سب سے پہلے پیراگراف کو ہم نے سادہ اُردو کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اس عبارت کو آپ کے لیے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا عربی ترجمہ پیش کریں گے، جو ڈاکٹر اسعاد نے کیا ہے، پھر اس پر گفتگو ہوگی۔

"طریق استخارت سپردم و أغراض کہ بہ نفس می باز گشت، از دل ستردم و بحکم استدعای تو ......اسعدک اللّٰہ ......قیام کر دم، وبر تمام کر دن مراد تو ازیں کتاب عزمی تمام کردم ومراین کتاب را کشف المحجوب نام کردم، و مقصود تو معلوم گشت، و سخن اندر غرض تو در ایں کتاب مقسوم گشت، ومن از خداوند تعالیٰ استعانت خواھم و توفیق اندر اتمام ایں کتاب، و از حول و قوت خود تبرا کنم اندر گفتار و کردار، وباللّٰہ العون و التوفیق."

Marfat.com

خطبہ کتاب کے بعد والے اس ابتدائی اور مختصر فارسی پیراگراف کا اب عربی ترجمہ دیکھئے:

"سلكت طريق الاستخارة، و محوت من قلبي الأغراض التي كانت ترجع اِلى النفس، وقمت بحكم مادعوتني اليه، أسعدك اللّٰه، و عزمت تمام العزم على اتمام مرادك من هذا الكتاب و أسميت هذا الكتاب "كشف المحجوب" وقد علم مقصودك و استقام الكلام في غرضك في هذا الكتاب، و اني أطلب من اللّٰه تعالىٰ العون والتوفيق في اتمام هذا الكتاب، وأبرأمن حولي و قوتي في القول والعمل وباللّٰه التوفيق."

یہاں پر بھی چند باتیں قابلِ غور ہیں:

ا۔ یہ عربی ترجمہ بیک وقت سلاست وروانی کا آئینہ دار بھی ہے جس سے ترجمہ کے بجائے اصالت کا تاثر ملتا ہے مگر ساتھ ہی یہ لفظی ترجمہ بھی ہے۔ فاضل خاتون نے فارسی مفہوم رکھنے والے عربی الفاظ بے دریغ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً پہلا جملہ ہی دیکھ لیجئے: "طریق استخارت سپردم" اس جملے کے تین میں سے دو لفظ عربی کے ہیں جنہیں ڈاکٹر اسعاد صاحبہ نے جوں کا توں لے لیا ہے۔ صرف "سپردم" کا ترجمہ "سلکت" (میں چلا) کیا ہے۔ یہاں اگر وہ سلوک کے بجائے "اختیار" استعمال کرتیں اور کہتیں کہ "اخترت طريق الاستخارة" (میں نے استخارے والا رستہ اختیار کیا ہے) تو زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا۔

۲۔ فارسی کا ایک جملہ ہے جس پر غالباً انہوں نے زیادہ غور نہیں کیا اس لئے احتیاط سے کام نہیں لیا گیا اور وہ جملہ ہے:

Marfat.com

''وسخن اندر غرض تو دریں کتاب مقسوم گشت''

اور اس کتاب میں تیرے مقصد کی بات کو اقسام (فصول و ابواب کی شکل میں) پیش کر دیا گیا ہے۔ مگر انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ:

''وا ستقام الکلام فی غرضک فی ھذا الکتاب''

(کہ اس کتاب میں تیرے مقصد کی بات سیدھی یا مستقیم ہوگئی ہے)

مقسوم کا مادہ تو ''ق س م'' ہے جب کہ استقام کا مادہ ''ق ی م'' ہے۔ ''ق س م'' سے باب استفعال ''استقسام'' آئے گا نہ کہ ''استقامہ'' (یا استقامت)۔ پھر اس کتاب میں مقصد کی بات سیدھی یا مستقیم ہوئی یا نہیں، اس کا اعلان و اظہار مصنفِ کتاب کی شان نہیں۔ البتہ مقصد کی بات کو قسموں یعنی ابواب و فصول کی شکل میں بیان کرنا مصنف کا کام ہوتا ہے جو یہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کر رہے ہیں اور اپنے دوست کو یقین دلا رہے ہیں کہ آپ کے مقصد کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور پھر اپنی گفتگو یا کلام کو فصلوں اور بابوں کی شکل میں تقسیم کر کے بھی پیش کر دیا ہے!

۳۔ ''و بہ تمام کردن مراد تو ازیں کتاب عزمی تمام کردم و مرایں کتاب را کشف المحجوب نام کردم''

(اس کتاب سے تیرے مطلب کو مکمل کرنے کا پکا ارادہ کیا ہے اور اس کتاب کا نام میں نے کشف المحجوب رکھا ہے) میں ''عزمت تمام العزم'' کی ترکیب خوب ہے اور مترجم نے اپنے لفظی ترجمہ میں فارسی عبارت کے عربی الفاظ کو اپنے عربی ترجمے میں بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے تاہم ''من ھذا الکتاب واسمیت ھذا الکتاب'' میں الکتاب کا تکرار معیوب ہے اگر مترجمہ عربی اسلوب کا خیال رکھتے ہوئے اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر استعمال کرتیں تو زیادہ

Marfat.com

مناسب ہوتا یعنی ''من هذا الکتاب الذی اسمیتہ'' اسم ضمیر اور اسم موصول سے عبارت خوبصورت اور مربوط ہو جاتی!

۳۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''استعانت خواہم وتوفیق'' (استعانت اور توفیق چاہتا ہوں) لکھا ہے، مگر یہاں بھی موصوفہ نے استعانت وتوفیق کی جگہ ''العون والتوفیق'' کہا تو عبارت کے آخر میں صرف توفیق پر اکتفا کرنا پڑا (وباللہ التوفیق) حالانکہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''وباللہ العون والتوفیق'' لکھ رکھا ہے۔ ہم اسے ہی تحریف کہتے ہیں! تکرار کے الزام سے بچنے کے لیے مصنف کا ایک لفظ ترک کر دیا حالانکہ اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی مصنف کی اپنی عبارت ''و باللّٰہ العون و التوفیق'' ہے اور اسے یونہی لکھنا چاہیے تھا! ایسے حقیر تصرف سے کیا حاصل جو تحریف کا ملزم ٹھہرا دے!!

بات قدرے طویل اور ثقیل تو ہو رہی ہے جس کے لیے مودبانہ معذرت خواہ ہیں۔ مگر اس ثقل وطوالت کا پھل اگر حقیقت شناسی اور اصل صورت سے آگاہی ہو تو برا بھی نہیں۔ اس لئے اب ہم کشف المحجوب کے ایک ایسے مقام پر توجہ دیتے ہیں جو اہم تو ہے ہی مگر ساتھ ہی مشکل اور مفید بھی ہے اور وہ ہے ''روح'' اور اس کی ماہیت کے متعلق اظہارِ خیال۔ سب سے پہلے فارسی عبارت کا سادہ ترجمہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔ سید ہجویرؒ فرماتے ہیں:

''جان لیجئے کہ روح کی ہستی (ہونے) یا وجود کا علم حاصل کرنا تو ضروری ہے۔ مگر اس کی ماہیت کو پانے سے عقلِ انسانی عاجز ہے، امت کے علماء وحکماء میں سے ہر ایک نے اپنے قیاس یا اندازے کے مطابق روح کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا ہے بلکہ ہر قسم کے کافروں نے بھی اس کے متعلق باتیں کی ہیں۔ چنانچہ یہودیوں کے مشورے اور تجویز سے کفارِ قریش نے نضر بن حارث کو یثرب کے یہودیوں کے پاس سوال سیکھنے کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے یہودیوں

Marfat.com

کا تجویز کردہ سوال حضرت محمد ﷺ سے دریافت کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے روح کی ہستی (عین یا وجود) کو ثابت کرنے کے لیے فرمایا!

''اور یہ لوگ آپ سے روح کے وجود کے متعلق دریافت کرتے ہیں''

پھر اللہ تعالیٰ نے روح کے قدیم ہونے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ فرما دیجئے کہ روح تو میرے رب کا امر (حکم) ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''روحیں تو لشکر ہیں جو تیار کئے گئے ہیں سو ان میں سے جو تو باہم متعارف ہو گئیں ان میں تو
باہمی الفت پیدا ہو گئی مگر ان میں سے جو باہم نا مانوس رہ گئیں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔''

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے دلائل ہیں جو روح ہستی یا عین و وجود کو ثابت کرتے ہیں اس کی کیفیت و ماہیت سے بحث کئے بغیر!

''چنانچہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ روح وہی زندگی ہے جس کے طفیل کوئی جسم زندہ کہلاتا ہے۔ متکلمین یعنی ماہرین علم الکام کے ایک گروہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے روح ایک ''عرض'' (جوہر کے مقابل ایک عارضی چیز) ہے جو کسی جانور کی زندگی کا سبب ہے۔ حق تعالیٰ کا فرمان یہی ہے۔ گویا روح بھی اس قسم کا عرض ہے جیسے تالیف (باہم جوڑ دینا اور جڑ جانا جو عارضی چیز ہے) حرکت (جو سکون کے مقابل ایک عارضی چیز ہے) اور اجتماع (اکٹھا ہونا جو منتشر ہونے کی ضد ہے اور عارضی ہے) عرض شمار ہوتے ہیں جن کے سبب کوئی اور شخص ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا رہتا ہے، ایک دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ روح زندگی کے

علاوہ کوئی اور چیز ہے، ہاں! زندگی کا وجود روح کے بغیر نہیں ہوتا جس طرح کہ روح کسی بنیادِ جسمانی کے بغیر نہیں پائی جاتی اور ان ہر دو میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر نہیں پائی جائے گی جیسا کہ ''درد'' اور ''اس درد کا علم ہونا'' دونوں ایک ہی چیز ہیں الگ الگ نہیں ہو سکتے، اس لحاظ سے روح زندگی کی طرح ایک ''عرض'' ہے۔

جمہور متصوفین اور اہلِ سنت و جماعت رحمۃ اللہ علیہم کی غالب اکثریت کا موقف یہ ہے کہ روح ایک ہستی (عین/وجود) ہے نہ کہ عارضی صفت۔ جب تک یہ روح بر بنائے عادت و فطرت بدن سے پیوست رہتی ہے اس وقت تک کے لئے حق تعالیٰ شانہ اس بدن میں زندگی پیدا فرما دیتے ہیں۔ زندگی آدمی کی عارضی صفت ہے اور اس کے طفیل زندہ رہتا ہے۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے تو وہ تو بدن میں بطورِ امانت رکھی گئی ہے، اس لیے یہ ممکن ہے کہ روح آدمی سے الگ ہو جائے اور زندگی کے طفیل انسان زندہ رہے۔ چنانچہ نیند کی حالت میں یہی ہوتا ہے کہ روح جدا ہو جاتی ہے اور زندگی ساتھ رہتی ہے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ روح کے چلے جانے کی صورت میں علم اور عقل بھی آدمی سے وابستہ رہیں۔ اسی لئے تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''شہداء کی روحوں کو پرندوں کے سے پر عطا ہو جاتے ہیں''

لامحالہ یہ صرف اس صورت میں ہوگا جب روح کو ایک ہستی یا عین کی حیثیت حاصل ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ روحیں لشکر ہیں جو تیار کیا گیا تو لامحالہ یہ بھی صرف اسی صورت میں ہی ہوگا، جب یہ لشکر باقی رہنے والا اور غیر فانی ہو۔ عرض کے لیے بقا نہیں ہے یعنی وہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے، یہ عرض اپنے وجود میں قائم بھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ روح بھی ایک جسم لطیف (نازک و باریک) ہے۔ یہ روح فرمانِ حق تعالیٰ جل شانہ سے جسم میں آتی ہے اور رب کے حکم سے جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے!''

Marfat.com

کشف المحجوب کی اصل فارسی عبارت جس کا اردو ترجمہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے، یوں ہے(۱۴):

الکلام فی الروح:

"بدان که اندر هستی روح، علم ضروری است، و اندر چگونگی آن، عقل عاجزوهر کسی ازعلماوحکمای امت برحسب قیاس خود، اندراین چیزی گفته اند. واَصناف کفررا اندر آن سخن است، که چون کفار قریش، به تعلیم جهودان، مرنضر بن الحارث رابفر ستادند، تا از رسول اللهﷺ، روح را بپر سید ند، وماهیت آن خداوند تعالیٰ، نخست عین آن اثبات کرد، قوله تعالیٰ: وَیَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ !" آنگاه قدم را از وی نفی کرد،قوله، تعالیٰ: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ. و رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فرمود: الارواح جنود مجَندة فما تعارف منها ائتَلَف و ما تَناکَر مِنُها اِ خُتَلَفَ. و مانند این، دلایل بسیار است برهستی آن بی تصرف اندر چگونگی آن.

پس گروهی گفتند: اَلروح هُوَ الحیوة التی یحیی بها الجسد: روح آن زندگی است که تن بدان زنده بود. وگروهی از متکلمان نیز هم برآنند، وبدین معنی روح، عرضی بود که حیوان بدو زنده باشد، به فرمانِ خدای، عزوجل، وآن از جنس تالیف و حرکت و اجتماع است. و مانند این از اعراض، که بدان شخص از حال به حال می گردد وگروهی دیگر گفتند: هو غیرالحیوة ولا یوجد الحیوة اِلامعها کما لا یوجد الروح اِلا مع البنیة ولن یوجد اَحَدُهَمَا دون الآخَرِ کَالألم و العلم به لا نهما شیئان لا یفترقان. روح

معنیی است به جزحیوة، که وجودآن برحیوة روا نباشد، چنان که بر شخص معتدل و یکی از این دویی دیگری نباشد، چنان که درد و علم او بدین معنی هم عرضی بود چنان که حیوة.

و باز جمهور مشایخ و بیشتری از اَهل سنت و جماعت. رحمة اللّٰه علیهم. بر آنند که روح عینی است نه وصفی، که تاوی به قالب موصول است، بر مجرای عادت، خداوند تعالیٰ. اندر آن قالب، حیوة مزید آفریند، و حیوةآدمی، صفتی است، وحی بدان است، امَا روح.مودَع است اندر جسد، روا باشد که وی از آدمی جدا شود، و آدمی زنده ماند به حیوة چنان که در حالت خواب، وی برود، و حیوة بماند، اما روانباشدکه اندر رفتن وی، علم و عقل بماند، از آن چه پیغمبر ﷺ. فرموده است که: ارواح شهدا اندر حواصل طیور باشند ولا محاله بایدتا این عینی باشد، و پیغمبر ﷺ گفت: "الارواح جنود مجندة" لا محاله جنود باقی باشد و عرض بقا روا نباشد. و عرض به خود قایم نباشد، پس آن جسمی بود لطیف که بیاید به فرمان خدای، عزوجل، و برودبه فرمان وی."

حضرت داتا صاحبؒ کی اس فارسی عبارت کوڈاکٹر اسعاد عبدالہادی قندیل نے اپنے عربی اسلوبِ بیان کا یہ رنگ دیا ہے(۱۵):

الکلام فی الروح:

" اعلم ان العلم بماهیة الروح ضروری، و ان العقل عاجز فی کیفیتها، وقد قال کل من علماء الامة و حکمائها شیئا فی ذلک، علی حسب

قیاسہ، وللکفار ایضا کلام فی ذلک، مثلما أرسل کفار قریش . بایعاز من الیھود، النضر ابن الحارث لیسئال الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن کیفیة الروح و ماھیتھا.

وقدأثبت اللّٰہ تعالیٰ أولاعینھا فی قولہ تعالیٰ(١٦): "و یسألونک عن الروح ثم نفی عنھا القدم فی قولہ تعالیٰ(١٧)": " قل الروح من امر ربی."

و الرسول ﷺ قال: "الارواح جنود مجندة، فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف." و توجد ادلة کثیرة مثل ھذہ علی وجودھا، دون التصرف فی کیفیتھا، فقالت جماعة ان الروح ھو الحیاة التی یحیی بھا الجسد، و جماعة من المتکلمین ایضا علی ھذا، و بھذا المعنی تکون الروح عرضا، لأن الحیوان یحیابھا بأمر اللّٰہ عزوجل، و ھی من جنس التألیف و الحرکة والاجتماع وأمثال ھذا من الأعراض التی یتحول بھا الشخص من حال إلی حال.

وقالت جماعة أخری: ھو (أی الروح)غیر الحیاة ولا یوجد الحیاة إلامعھا، کما لا یوجد الروح إلامع البنیة، ولن یوجد أحدھما دون الآخر، کالألم و العلم بہ، لانھما شیئان لا یفترقان وھی بھذا المعنی أیضا عرض مثل الحیاة

و جمھور المشائغ ایضا، و کثیر من أھل السنة و الجماعة. رحمھم اللّٰہ، علی أن الروح عین لا وصف، لأنھا طالما ھی موصولة بالقالب علی مجری العادة فان اللّٰہ تعالیٰ یخلق الحیاة فی ذلک القالب، وحیاة الآدمی صفة، وھو حی بھا، أما الروح فمودعة فی الجسد، و یجوز أن تنفصل عن

Marfat.com

الآدمی و یظل حیا بالحیاۃ کما فی حال النوم فھی تذھب و تبقی الحیاۃ، و لکن لا یجوز فی حال ذھا بھا أن یبقی العلم و العقل، لأن النبی ﷺ قال: "أرواح الشھداء فی حواصل الطیور، فلا محالۃ أن تکون (الارواح) عینا و قال الرسول علیہ السلام: "الارواح جنود مجندۃ" فلامحالۃ أن تبقی الجنود، و البقاء لایجوز علی العرض، والعرض لا یقوم بنفسہ، فھی اذن جسم لطیف یأتی بأمر اللہ عزوجل، و یذھب بأمرہ."

فارسی اصل کے ساتھ ساتھ عربی اور اردو ترجمہ قارئین کے سامنے ہیں اس لیے اب دلچسپ تقابلی مطالعہ ناممکن نہیں ہے مثلاً:

ا۔ اس عبارت میں قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ اور اقوال عربیہ کے علاوہ عربی زبان کے سو سے زائد الفاظ حضرت داتا گنج بخشؒ نے استعمال فرمائے ہیں جو اتفاق سے فارسی میں بھی وہی معنی رکھتے ہیں جو عربی میں تھے، ڈاکٹر اسعاد نے یہ تمام تر الفاظ جوں کے توں لے لئے ہیں۔ حتیٰ کہ لفظ "قالب"، جس کی فارسی اصل کالبد ہے مگر جب عربی میں گیا تو قالَب (لام کی زبر کے ساتھ) بن گیا۔ فارسی والوں کو یہ قلیل الحروف اور ہلکا پھلکا لگا اس لیے بعینہٖ اس معنی کے لیے قبول کرلیا گیا، مگر سلیس ترجمہ کا بہترین موقع تھا جس سے فاضل مترجمہ نے خوب خوب فائدہ اٹھایا، حتیٰ کہ فارسی حرف کے مقابل عربی حرف رکھ دینے سے جو فضا پیدا ہوئی ہے اس سے صرف وہی لوگ لطف اندوز ہوسکتے ہیں جو عربی اور فارسی دونوں کا ذوق رکھتے ہیں۔ مثلاً "بدان کہ اندر ہستی روح علم ضروری است" کو یوں عربی کے قالب میں ڈھالا گیا۔ "ان العلم بماھیۃ الروح ضروری"، "علم روح" اور "ضروری" جوں کے توں لے لئے گئے، البتہ ہلکی سی لغزش یہ ہوئی کہ "ہستی روح" کا ترجمہ ماہیت روح (ماھیۃ الروح) کے بجائے عین روح یا وجود روح (عین

Marfat.com

الروح ووجود الروح) ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

۲۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، داتا گنج بخشؒ کی فارسی عبارت میں عربی الفاظ کی بھرمار ہے، لیکن آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی ﷺ اور اقوال بزرگان بھی کم نہیں ہیں، فارسی پر عربی غالب آتی ہے۔ غزنوی عہد کی فارسی کی یہی شان ہے کہ وہ ابھی ''بالکی'' ہوتے ہوئے بھی عربی الفاظ وعبارات کو صرف برداشت ہی نہیں بلکہ خود کو اس سے سجا بھی رہی تھی، عربی کے اس غلبہ نے عرب مترجمہ کی بڑی مدد کی اور اس سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

۳۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے اس فارسی اسلوب نگارش کو دیکھ کر یہ خیال یقین میں بدلنے کو جی چاہتا ہے کہ قرآن وحدیث اور دیگر معارفِ عربیہ اسلامیہ پر کامل عبور ہونے کے باعث وہ یا تو پہلے لکھتے ہی عربی میں ہوں گے اور پھر اسے فارسی کے قالب میں ڈھالتے ہوں گے یا کم سے کم سوچتے تو عربی میں ہوں گے اور عربی سوچ کو فارسی قالب عطا کرتے ہوں گے۔ اس لیے ان کی فارسی قدرے مشکل ہونے کے علاوہ الفاظ کی تقدیم وتاخیر اور قدرے غموض کا رنگ لئے ہوئے ہے اور اسی لئے ان کے بیچارے اردو مترجم مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں!!

۴۔ اصل فارسی اور عربی کے ترجمہ کے تقابلی مطالعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر اسعاد نے لفظی ترجمہ میں یہ تکلیف نہیں فرمائی کہ فارسی عبارت میں عربی کے استعمال ہونے والے الفاظ وہی معنی دے رہے ہیں جو قدیم وجدید عربی میں متعارف ومتداول تھے یا یہ کہ ان کی ساخت ہی بدل جائے تو کچھ بہتری کی صورت پیدا ہو جائے گی یا نہیں، مثلاً ''واندر چگونگی آن عقل عاجز'' کا ترجمہ ''ان العقل عاجز فی کیفیتھا'' کر دینا کافی ہے یا اس میں ساخت اور صیاغت جملہ بدلنے کی ضرورت ہے؟ چگونگی کا ترجمہ کیفیت کے بجائے ماہیت زیادہ مناسب ہوتا، پھر صرف (فی کیفیتھا) یا (فی ماھیتھا) سے بات نہیں بنتی جب تک (فہم) یا (ادراک) کا لفظ درمیان میں نہ بڑھایا جائے، صیاغت جملہ بھی بدلنا زیادہ مفید ہوتا اور اسمیہ کے بجائے فعلیہ بھی

Marfat.com

ہوسکتا تھا اور یوں کہا جا سکتا تھا: ''وقد عجز العقل فی إدراکہا او فہمہا''۔ اگلا جملہ بھی بالکل لفظی ترجمہ ہے، حتیٰ کہ ''حسب'' اور ''قیاس'' کو بھی جوں کا توں لیا گیا ہے۔ اس لفظی ترجمہ سے اہلِ زبان کے لیے الجھن پیدا ہوسکتی ہے۔

اس سے اگلے جملے (واصناف کفررا اندرآن سخن است) کا ترجمہ بھی دلچسپ ہے۔ یہاں عربی کا لفظ چھوڑ دیا گیا ہے اور اصنافِ کفر کا ترجمہ صرف ''الکفار'' کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس لفظ کو بھی استعمال کیا جا سکتا تھا اور زیادہ موزوں لگتا اور کہا جاتا (وللکفار اصنافہم) سخن کا ترجمہ ''کلام'' درست تو ہے مگر کافی نہیں، (آراء) زیادہ پر معنی اور مفید ہوتا کیونکہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے عہد تک کفار کے گروہ اور اصناف لامحدود تھیں اسی طرح ان کی آرا بھی تھیں مثلاً بدھ مت میں ''نروان'' اور ہندو مت میں ''آواگون'' یا ''تناسخ'' تھا، خود جاہلی عربوں اور اہل فارس (زرتشتیوں) کی بھی آرا تھیں اس لیے اگر یہ جملہ یوں ہوتا تو زیادہ جامع بات ہوتی۔(و للکفار با صنافهم آراء فی ذلک أوفی ماهية الروح و حقيقتها).

واللہ أعلم با لصواب و إليه المرجع و المآب و هو نعم المولى و نعم النصير !

❀ ❀ ❀

حوالے اور حواشی

۱۔ کلیاتِ اقبالؒ، ص۵۱، ۵۲۔

۲۔ نفحات الانس، ص۳۱۶۔

۳۔ بزمِ صوفیہ، ص۱۰۔

۴۔ مکتوبات امام ربّانی دفتر اول حصہ دوم، ص۴۷۔

Marfat.com

۵۔ کلیاتِ اقبالؒ، ص۵۱،۵۲۔
۶۔ مقدمہ کشف المحجوب از محمد حسین تسبیحی۔
۷۔ مقدمہ کشف المحجوب عربی ترجمہ۔
۸۔ ایضاً
۹۔ مقدمہ کشف المحجوب عربی، ص۱۰۶۔
۱۰۔ ایضاً، ص۱۰۷،۱۰۸۔
۱۱۔ مقدمہ کشف المحجوب از تسبیحی۔
۱۲۔ ایضاً۔
۱۳۔ عربی کشف المحجوب، ص۲۶۰۔
۱۴۔ کشف المحجوب فارسی، ص۳۸۰۔
۱۵۔ کشف المحجوب عربی، ص۵۰۲۔
۱۶۔ سورۂ بنی اسرائیل:۸۵۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ صحیح البخاری۔
۱۹۔ صحیح مسلم۔

Marfat.com

تراجم "کشف المحجوب"

تحریر: جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل *

لا الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ وآلہ وسلم) پڑھتے ہی ایک انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ اس کے اقرار اور تصدیق کا مظاہرہ جب ایک یہ کلمہ گو اپنے اعضاء و جوارح سے کرنے لگتا ہے تو ایمان وتقوی شعاری اپنا رنگ دکھانے لگتے ہیں۔

ایسے ہی لوگ اولیاء اللہ کا مبارک قرآنی لقب پاتے ہیں اور ایسے ہی لوگ دونوں جہانوں کی بہاروں کو پانے والے بن جاتے ہیں۔ ان کا فیض جاری ہو جاتا ہے اور خلق خدا اس سے مستفیض ہوتی رہتی ہے۔ ان کا ایمان اور ان کی تقویٰ شعاری ایک نور بن کر ہر اندھیرے کو اجالا بخشتی چلی جاتی ہے۔ اس میں دوام کا سبب ان کا اخلاص ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔ اور جس کا اللہ ہو جائے اس پر اللہ کی نوازشات پھر اللہ ہی کی نوازشات ہوتی ہیں جو دنیا کے پیمانے ماپنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اہل اللہ نہ خدا ہوتے ہیں نہ کسی اہل اللہ نے کبھی خود کو خدا کہا ہے نہ کہلوایا ہے وہ اللہ کے سچے اور مخلص بندے ہوتے ہیں ہواء وہوس کے بندے نہیں ہوتے۔ ان کا خالق ان کا مالک ان کو وہ کچھ عطا فرما دیتا ہے کہ ساری دنیا ان کے

* جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل، ہائی کورٹ پنجاب

Marfat.com

در پر آ جائے تو نہ دینے میں کمی کرتے ہیں نہ ان کو کوئی بات دینے سے روکتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ مانگنے والے اسی کی مخلوق ہیں جو سب کا خالق و مالک ہے، گویا خدمت انسانیت دراصل خالق کی مخلوق ہی کی خدمت ہے۔ اہل اللہ ہر آنے والے کے دل پر نگاہ رکھتے ہیں ہر ایک سے حسن سلوک کرتے ہیں دلوں کے اندھیرے دور کر کے ان میں ایمان کا نور بھرتے ہیں۔ بھولے بھٹکوں کو ان کے خالق و مالک حقیقی کی پسندیدہ راہ دکھلاتے ہیں۔ حق کی طرف بلاتے ہیں۔

حق تلفیوں سے روکتے ہیں۔ ادائیگی حق پر زور دیتے ہیں۔ ذکر اللہ نے ان کی زبان میں چاشنی کا نور بھر دی ہوتا ہے۔ ان کی باتیں دل سے نکلتی ہیں اور دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ ہر شخص جو ان سے ملاقات کیلئے آتا ہے یہ محسوس کرتا جاتا ہے جیسے ساری بات اسی سے کی ہو۔ حالانکہ وہاں تو ہزاروں لوگ موجود ہوتے ہیں۔ محبت و الفت کے باب کی باتیں اہل محبت اور الفت ہی کو سمجھ آتی ہیں۔ اس دنیا میں جو آیا ہے اس نے اپنے خالق و مالک کے حضور واپس بھی جانا ہے۔ وہ بھی جاتے ہیں ان کا جانا بھی نورانی ہوتا ہے۔ وہ سدا بہار ہوتے ہیں اور سدا بہار رہتے ہیں۔ یہ سارا فیض اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود نہیں مانتے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں۔ ہر بات کی سند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لیتے ہیں۔ اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو اللہ کا پیارا بنا دیا ہوتا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ جو رب کا پیارا بن جائے اس کا مقام کیا ہوگا۔ اب تا قیامت اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ ہر ولی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتی ہے اور ہر اعطاء حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچی اطاعت اور اتباع ہی کے صدقے ہر ایک کو ملی ہے اور تا قیامت ملتی رہیگی۔ ایسے ہی برگزیدہ فرد فرید اور گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا سیدنا حضرت علی ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ جن کے فیض سے کفرستان ہند اسلام کے نور سے منور

ہوا اور یہ نور بڑھتا ہی گیا۔ شہر لاہور کو بلاد العروس ہونے کا لقب کچھ یوں ہی تو نہیں مل گیا۔ دس صدیاں بیتنے کو ہیں نور اسلام کی زندہ و تابندہ شعائیں آج بھی اسی طرح کفر و شرک و بدعت والحاد کے اندھیروں کو مٹاتی چلی جا رہی ہیں۔ دن رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جب خلق خدا آپ کے مزار پر انوار اور فیض رسان عالم اور منبع روحانیت و طمانیت پر حاضر نہ ہو۔

نام فقیر تنہا دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

خوب یاد رہے کہ وقت نماز تمام حاضرین و زائرین قبلہ رُو ہو کر پانچوں وقت کی نمازیں خالص اللہ کی بندگی کرتے ہوئے سنت محمدیہ کے عین مطابق با جماعت ادا کرتے ہیں۔ جمعۃ المبارک عیدین اور عرس مبارک کے موقع پر تو خلق خدا کا ہجوم قابل دیدنی ہوتا ہے۔ ہر مہمان کی ضیافت دودھ سے کی جاتی ہے۔ سخاوت کا یہ منظر اولیاء اللہ کے مزاروں پر ہی نظر آتا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین۔

ہر آنے والا مزار پر آ کر ایک مرتبہ سورۃ الفاتحہ تین مرتبہ سورۃ الاخلاص اور ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے پھر اللھم اغفر لحینا و میتنا۔۔۔ آخر تک پڑھتا ہے اور اسکا ثواب ہدیۂ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ جلیلہ سے سب کو بخش دیتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تو صبح و شام جاری رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کلمہ طیبہ اور دوسرے ذکر اذکار کی اکثرت کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ یہ برکت۔ یہ سعادت۔ یہ فیض۔ یہ عطائے بے بہا۔ اللہ اللہ۔ یہ بھی تو ایک زندہ کرامت ہے۔

کشف المحجوب خود ایک کرامت ہے۔ اس کے تراجم اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اس کی مقبولیت دن رات بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ ایک وہی یہ ہے کہ اس کی ہر بات کے پیچھے قرآن و سنت سے لی گئی مضبوط دلیل ہے۔ اسی نے اس کتاب کو سرمدی رنگ بخشا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ دل کے حجاب دور کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ مرشد کی تلاش سے قبل خود مرشد کا کام دیتی ہے۔ مرشد پا لینے پر ادب آداب کے اعلیٰ انداز سکھاتی ہے۔ جس ولی یا بزرگ یا

Marfat.com

درویش کا ذکر بھی حضرت داتا گنج بخش ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا ہے بڑے ہی ادب واحترام اور القابات سے کیا ہے۔ گویا یہ سبق دیا گیا ہے کہ علم کی کنجی ادب ہے۔ بے ادب خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ خوشامد اور چاپلوسی کو ادب نہیں کہتے۔ ادب کے سوتے سچی اور خالص محبت سے پھوٹتے ہیں۔ ادب کا اپنا قرینہ ہے۔ ادب احترام انسانیت تو ہے ہی احترام خودی بھی ہے۔ ادب کرنے والا خود بھی تو انسانیت میں سے ایک فرد ہے گویا یہ ایسا انداز ہے جو ہر پہلو سے نفع بخش ہے۔ باادب کبھی محروم نہیں ہوا کرتا۔ اسلام نے آداب زندگی ہی تو سکھلائے ہیں۔ امت محمدیہ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اللہ پر، تمام فرشتوں پر، تمام اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر، تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاتا ہے۔ ایمان لانا ادب کا سب سے اوپر کا زینہ ہے۔ الحمدللہ رب العلمین۔

اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت زبان کی ہے۔ ان گنت زبانیں اور باہم معاملات کا ذریعہ ہونا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

کشف المحجوب کے بیسویں باب کے آخر میں حضرت داتا گنج بخش (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتابوں کی حاجت نہ رہے۔۔۔ بہر حال یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے۔ انشاءاللہ العزیز''

آج تک کشف المحجوب کے جو تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں ان کی مختصر تفصیل پیش خدمت ہے۔ یہ صرف میری رسائی کی حد تک ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی ترجمہ اور بھی ہوا ہو اور مجھے اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔ علمائے کرام اور محققین ہی کی رائے صائب ہو سکتی ہے میں تو ایک ادنیٰ اور حقیر سا طالب علم ہوں۔

خشخش جناں مول نہ میرا تے مالک نوں وڈیایاں
میں گلیاں دا رُوڑا کوڑا تے محل چڑھایا سائیاں

Marfat.com

حواشی

کشف المحجوب کا ترجمہ جو انگریزی زبان میں ہوا:

۱۔ پروفیسر نکلسن، لندن، ۱۹۱۱ء

کشف المحجوب فارسی کا مقدمہ جو روسی زبان میں تحریر کیا گیا:

۱۔ پروفیسر ژوکوفسکی، لنن گراڈ، ۱۹۲۶ء۔

کشف المحجوب کے ترجمے جو سندھی زبان میں ہوئے:

۱۔ حاجی علی محمد (ڈپلو)، حیدر آباد: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۸ء

کشف المحجوب کے ترجمے جو اردو زبان میں ہوئے:

۱۔ ظہیر احمد بدایونی، (ظہیر المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب) لاہور: ۱۹۰۹ء

مولوی فیروز الدین، (بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب) لاہور: فیروز سنز پبلیکیشنز، ۱۹۷۷ء

۲۔ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، حزب الاحناف لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء

۳۔ میاں طفیل محمد، امیر جماعت اسلامی پاکستان، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز۔

۴۔ مولانا الحاج کپتان واجد بخش سیال چشتی صابری، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، ۱۹۹۵ء۔

۵۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔

Marfat.com

۶۔ سید محمد فاروق القادری ایم اے۔ ۱۹۸۹ء۔

۷۔ حضرت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، لاہور: زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۵ء

۸۔ محمد الطاف نیروی، لاہور: ناشر مترجم خود، نائب خطیب داتا دربار، ۱۹۹۲ء

۹۔ علامہ فضل الدین گوہر، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکشنز، ۱۹۸۶ء۔

۱۰۔ عبدالعزیز نوری

۱۱۔ عبدالستار سعیدی

۱۲۔ خادم حسین رضوی

کشف المحجوب کا ترجمہ جو پنجابی زبان میں ہوا:

۱۳۔ محمد شریف صابر، لاہور: قاضی پبلیشنز ۱۹۹۶ء

کشف المحجوب میں آمدہ قرآن کی آیات اور احادیث کی اردو زبان میں تخریج:

۱۴۔ ڈاکٹر خالق داد ملک اور ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، لاہور، محکمہ مذہبی امور پنجاب، ۲۰۰۶۔

ترجمہ بعض اوقات تو لفظی ہوتا ہے اور بعض اوقات با محاورۃ۔ بعض اوقات بڑا پیچیدہ اور بعض اوقات بڑا آسان فہم۔ بعض اوقات مترجم مصنف کی بات سمجھ ہی نہیں پاتا اور کچھ کا کچھ کہ جاتا ہے۔ بعض اوقات ترجمہ اصل سے بھی زیادہ آسان لگتا ہے۔

بہر حال ترجمہ کرنے والے کے خلوص کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بندے تو ظاہر عبارت ہی پر کچھ کہ سکتے ہیں۔ حسن ظن لازمی ہے کہ مترجم کی محنت بہر حال ان لوگوں پر احسان ہوتا ہے جو اصل زبان کو نہیں جانتے۔ ہر مترجم کا ثواب عند اللہ محفوظ ہے جو دلوں کے حال جاننے والا ہے۔

Marfat.com

Serial Publications No.(3)

Maarif-e-Hujveria

(1)

Research papers presented in the Seminar entitled
"Critical study of the editions and translations of
Kashf-ul-Mahjub."

Dr. Zuhoor Ahmad Azhar
Prof. of Hujveri Chair